شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

★ ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ

مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۶۸ ع ★

تعمیرِ حیات

★ قیمت فی پرچہ ۳۰ پیسے

سالانہ چندہ سات روپیہ ★

اڈیٹر — سید محمد الحسنی
معاون — سعید الاعظمی ندوی

Phone 22943 Regd No L 1981

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از: سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی سیرت اور انکی شخصیت کے تمام اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ندوۃ العلماء جیسی تاریخ آفریں تحریک کا قیام مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شاندار دور نظامت، سلوک و تربیت اور عمومی بیعت و اصلاح کے ذکر کے ساتھ ساتھ رد عیسائیت، بہائی فتنہ قادیانیت کے استیصال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی سیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ بھی نظروں کے سامنے آجائے، کتاب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمے سے مزین ہے!

مسئلہ ختم نبوت — علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدہ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے!

قیمت:- ۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی، سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامچہ ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامہ سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقاہت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، عمیق اور محققانہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق، علمی و تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی شاخوں اور نسبتوں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے۔ قیمت مجلد [illegible] روپیہ

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت عہ

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت، تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جگہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

مبلغ اعظم
حضرت مولانا محمد یوسف (رحمۃ اللہ علیہ)
کی
سوانح حیات اور تبلیغی زندگی پر
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ
کی پسند فرمودہ کتاب سوانح مولانا محمد یوسف رح
مولفہ مولانا محمد ثانی حسنی قیمت ۱ روپئے
مجلد خوبصورت ڈسٹ کور ۲۲×۱۸/۸ صفحات ۷۱۲

Cover Printed at Nadwa Press, Lucknow.

ظلم مت کرنا!

ایک دفعہ لفٹننٹ گورنر نے مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ سے ملنے کی اجازت چاہی آپ نے لوگوں سے فرمایا، کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا، اچھا ایک کرسی منگالینا، لفٹننٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہو گیا، اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے، یہاں تک کہ لفٹننٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے سب کھڑے تھے ایک میم بھی کھڑی تھیں، مولانا نے اٹھ کر گھڑے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "بی تو اس پر بیٹھ جا، لفٹننٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا، آپ نے ایک خادم سے فرمایا کہ بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دیدو اس میں کچھ چورا مٹھائی کا نکلا، بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا، سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا، اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہو گئے، چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی، فرمایا کہ ـــــ "ظلم مت کرنا"

تذکرہ مولانا فضل رحمٰن

گنج مرادآبادیؒ

جلد ۵ — شمارہ ۲۱

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۶ر جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۰ر ستمبر سنہ ۱۹۶۸ء

اس شمارے میں

عنوانات	مضمون نگار	صفحات
اداریہ	سعید الاعظمی ندوی	۳ - ۴
یک دو ساعت صحبتے با اہل دل	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۵ - ۶
مولانا اسباط صاحبؒ	مولانا محمد اسحاق خان صاحب ندوی	۷
شعر و ادب	رئیس ابو الاسرار	۸
مسلم پرسنل لا	سید محمد منت اللہ رحمانی	۹
مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی تقریر	ترتیب۔ سید تسخیر حسن ندوی	۱۰ - ۱۱ - ۱۲
عرب زخمہ تو شو تم ہنوز بے خبر است	سید حبیب الحق ندوی	۱۳
امام شافعیؒ (از زرق اور ابن)	شبیر احمد صاحب مفتاحی	۱۴
نیل کے مجاہد	سید صدیق نسیم ندوی	۱۵
یروشلم	خاور شناس	۱۶
کچھ نباتات کے بارے میں	سید عبد الرشید	۱۷ - ۱۸
پرچم اسلام لہراؤ	ترجمہ اقبال احمد اعظمی ندوی	۱۹

پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر سید محمد الحسنی نے ستارہ پریس سامنے جھیلا کالج امین آباد لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء سے جاری کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نئی نسل اور ہماری ذمہ داریاں

(از سعید الاعظمی ندوی)

ہماری تمام تر کامیابی، عزت اور قومی وقار، اور دنیا کی تمام دیگر اقوام کے مقابلہ میں ہمارا فکری مقام اور سیاسی وزن، ان سب باتوں کا انحصار ہماری نئی نسل کی صحیح تربیت پر ہے، اگر ہم نے اپنے نوجوانوں کو ان کے مقام سے آشنا کرانے اور دنیا کے نقشے میں ان کی جو جگہ ہے اور ان کے کردار کی جو اہمیت ہے اس سے واقف کرانے کی کوشش نہیں کی تو موجودہ مادیت کے دور میں اور تہذیب نو کے سیلاب بلاخیز کے سامنے ہمیں کسی طرح یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ہمارے نوجوان از خود صحیح راہ پالیں گے اور وہ اپنے اسلاف کی تاریخ کو پیش نظر رکھ کر ہر طرح کے طوفان اور الحاد و اباحیت کے تیز دھاروں سے بچ جائیں گے، اگر ہم نے یہ توقع قائم رکھی تو اس کی مثال پانی پر لکیر بنانے یا ہوا میں خط کھینچنے کی ہوگی۔

اس وقت مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اگر ہم نے نئی نسل کی تربیت نہیں کی تو زیادہ سے زیادہ تہذیب مغرب کی دلدادہ ہوگی، یا وہ بذات خود اپنے مقام سے صحیح طور پر واقف نہیں ہوگی، بلکہ مسئلہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور فکر انگیز ہے، یعنی یہ نوجوان صرف ملحد و بے دین ہی نہیں ہوں گے بلکہ اپنے مذہب اپنی تاریخ اور اپنی قوم کے سب سے بڑے دشمن ہوں گے اور ان کے ہاتھوں وہ تمام کام انجام پا جائے گا جو دشمنان اسلام کی دیرینہ خواہش تھی اور جس کے لئے وہ شب و روز محنت کر رہے تھے، اسلئے کہ یہ کون نہیں جانتا کہ مغرب اپنے تمام وسائل اور قوتوں کے ساتھ اسلام کو گرانے اور اسلامی تہذیب کو فنا کرنے کی کوشش دو صدی سے زیادہ سے کر رہا ہے، بالآخر اس نتیجہ پر پہونچ گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانا اور اس کی تاریخ کو مسخ کرنا اور اسلامی تہذیب کو جنگلی و بیابانی کی تہذیب ثابت کرنا اسکے بغیر کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ خود مسلمانوں کے تعلیمیافتہ طبقہ اور خام ذہن افراد کو اسکے لئے تیار کیا جائے۔ اور حکمت عملی سے علم و فن اور فکر و ادب کے پردے میں ان کی ایسی ذہنی تربیت کی جائے کہ وہ اپنے تمام تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور تاریخی ورثے کے بدترین مخالف ہو جائیں اور ان کے ذہن میں یہ بات رچ بس جائے کہ اسلام ایک فرسودہ نظام حیات، ایک بوسیدہ تاریخ، ایک ناقابل عمل قانون اور متعفن تہذیب، ایک رجعت پسند مذہب کا نام ہے، جس کی سلوٹوں میں ماضی کے چند دھندلے نقوش کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو محض اتفاق اور وقتی ردعمل کا نتیجہ تھا،

اگر اس وقت ان تمام اسلامی ممالک کا جائزہ لیا جائے جہاں مسلمان موجود ہیں بالخصوص ان ملکوں میں جہاں حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ مغرب اپنی اس ناپاک سازش میں جو اس نے اسلام کے خلاف کی ہے اور برابر کر رہا ہے بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے، وہ مسلمانوں کی ایک ایسی نسل نکالنے میں کامیاب ہو چکا ہے جو ذہنی طور پر اسلامی تہذیب و تاریخ کی سخت مخالف ہے اور اسکی روایتوں کی دشمن ہے، جو ایک نئے اسلام کو ایجاد کرنے اور ایک نئے مذہب کو ترتیب دینے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہے، اور کہیں کہیں وہ کفر صریح کی دعوت تک اور الحاد و اباحیت کو گلے لگانے میں سب سے آگے ہے، اسی طبقہ کے ایک ذہین عربی شاعر نے جو دور حاضر میں عرب نوجوانوں کے ایک بڑے طبقہ میں مقبول اور محبوب ہے جب یہ شعر فخر و تکبر کے ساتھ پڑھا اور عرب نوجوانوں نے اسکو سنا تو ان کی پسندیدگی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کے بعد اس شاعر کو "قدیس القومیة العربیة" (عرب قومیت کا پاپائے اعظم) کے خطاب عظیم سے نوازا گیا،

آپ بھی اس شعر کو ملاحظہ فرمائیں ؎

سلام علے کفر یوحد بیننا ۞ واهلا وسهلا بعده بجهنم

ایسے کفر کو ہزار ہا سلام جو ہم کو متحد کرے اور اسکے بعد جہنم کو بھی ہزار بار خوش آمدید کہتے ہیں

اس کے بعد اب انڈونیشیا کی حالت زار ملاحظہ فرمائیے جہاں مسلمان نوجوان نہایت تیزی کے ساتھ یا تو عیسائی ہو رہے ہیں یا کمیونزم کی گود میں گر رہے ہیں معلوم ہوا ہے کہ اسوقت انڈونیشیا میں عیسائی مشنریاں حکومت کی اجازت سے تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہیں اور مسلمانوں کو سیلاب کی طرح اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں، نوجوان طبقہ خود کمیونزم کا دلدادہ ہے اور اسلام سے اسکو دور کا لگاؤ بھی نہیں، اسکو قطعاً اسکی کوئی فکر نہیں کہ مسلمان قوم کہاں جا رہی ہے، اسکی تاریخ، اسکی تہذیب اور اسکے اسلامی ورثہ کی کیا گت بن رہی ہے اسکو اس کا بھی احساس نہیں ہے کہ کفر و اسلام کی کیا اہمیت ہے اور اسکے مضمرات کیا ہیں، اور اسکی وجہ سے اس کا کیا نقصان ہو رہا ہے۔

یہی حال تقریباً ہر اسلامی ملک کا ہے، آپ دور کیوں جائیے کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان اس وبا سے محفوظ ہے، کیا وہاں عیسائی مشنریاں پوری آزادی کے ساتھ اپنے مشن کی تبلیغ میں معروف نہیں ہیں؟ اور کیا مسلمانوں کا ایک طبقہ عیسائی مذہب نہیں اختیار کر چکا ہے اور برابر اس کا حلقہ وسیع ہوتا جا رہا ہے، دوسری طرف قادیانیت پوری طاقت کے ساتھ میدان عمل میں موجود نہیں ہے؟ اور کیا قادیانی پروپیگنڈے کا جال پورے ملک بلکہ بیرون ملک میں بھی اس طرح نہیں پھیلا ہوا ہے کہ ایک عالم کا عالم قادیانی دعوت سے متاثر ہوتا جا رہا ہے اور نبوت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جا رہا ہے جسکی وجہ سے دین کی بے حرمتی، مذہب کی بیخ کنی اور مسلمانوں کی مذہبی نسل کشی ہو رہی ہے۔

اسی طرح کیا ایک نئے اسلام کا فتنہ وہاں پورے شباب پر نہیں ہے اور حکومت کی سرپرستی میں ایک نیا اسلام نہیں ترتیب دیا جا رہا ہے جس کی سربراہی ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کے رفقاء کر رہے ہیں، اس ادارہ پر حکومت کا کافی روپیہ خرچ کر رہی ہے اور پوری فراخدلی سے اس کے اخراجات کو برداشت کر رہی ہے اور باوجود اس کے کہ علماء پاکستان اور دوسری دینی جماعتوں کی طرف سے اسکے خلاف شدید احتجاج کیا گیا اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ یہ اسلام کی خدمت نہیں ہے بلکہ ایک تخریبی محاذ ہے جہاں سے در پردہ اسلام کو ایک ناقابل عمل نظام بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اسکی صورت مسخ کرنے کی انتہائی جد و جہد ہو رہی ہے لیکن اس ادارہ کو برابر فروغ حاصل ہو رہا ہے اور اصلاحات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

عالم عربی کی حالت زبوں کون نہیں جانتا، مصر و شام میں ڈنظریزم اصلاحات کے نام سے کیا کچھ نہیں ہوا اور ہو رہا ہے، اور مغرب کی استعماری طاقتیں کس طرح اسلامی زندگی کو کھوکھلا بنا رہی ہیں اور خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں دینی شخصیت کو کس طرح مجروح کر رہی ہیں، اس کا اندازہ ان حالات کو قریب سے دیکھے بغیر صحیح طور سے ناممکن ہے، ابھی حال ہی میں قرآن مجید کی ترتیب میں تبدیلی کا فتنہ شروع ہوا ـــ اور بیروت سے قرآن مجید کا ایک ایسا ایڈیشن شائع کیا گیا ہے جو نزول قرآن کی ترتیب کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، مصحف عثمانی کی ترتیب سے اسکو دور کا لگاؤ بھی نہیں ہے، اس پر عالم عربی کے بعض علماء کی طرف سے سخت احتجاجی مضامین نکلے اور نکل رہے ہیں لیکن یہ ایک فتنہ جو ہزارہا ہزار کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے کس طرح ختم ہو سکتا ہے، قرآن کریم کی غلط طباعت کا بیڑہ قادیانی جماعت نے بھی اٹھایا ہے اور آہستہ آہستہ یہ کام پس پردہ انجام پا رہا ہے قادیان کے تازہ چھپے نسخوں میں اعراب کی غلطیاں بالکل عام ہیں۔

یہ سارا عمل اسلام کو گرانے اور مسلمانوں کو زندہ در گور کر دینے کے لئے پوری تندہی اور منصوبہ بندی کے ساتھ مغرب کے اشاروں پر اسکے ہونہار تلامذہ کر رہے ہیں، مستشرقین کی آغوش شفقت میں تربیت یافتہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں قیمتی اسکالرشپ حاصل کر کے فارغ ہونے والے نوجوان اسلام کو ایک قدیم اور از کار رفتہ نظام سمجھتے ہیں اور وہ اپنی سمجھ کے مطابق اسکو زمانے کے حالات کے مطابق ڈھالنے اور نت نئے مسائل سے اسکو ہم آہنگ کرنے کے لئے یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ ایک ماڈرن اسلام (MODER N ISLAM) بروئے کار لائیں، جہاں ہر طرح کی آزادی ہو اور زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کا اصول اسی میں اپنایا جائے اور جس کا نعرہ ہو "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی"

بہر حال اسوقت نئی نسل کی حفاظت اور نوجوانوں کی صحیح تربیت کا مسئلہ ہمارا سب سے اولین مسئلہ ہے، اسی مسئلہ کی کامیابی پر ہماری کامیابی اور عزت کا انحصار ہے، اگر ہم نے اس مسئلہ میں غفلت برتی اور تجاہل سے کام لیا تو یہ سرا ابھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اور ہماری ساری کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی، بالخصوص جبکہ اس مسئلہ کو الجھانے اور اسکو مزید پیچیدہ بنانے کیلئے تمام مخالف طاقتیں گھات میں کھڑی ہیں اسوقت ہماری نسل کو سب سے بڑا خطرہ ارتداد و الحاد کے ساتھ اس بات کا ہے کہ وہ آگے چل کر اسلام کو گرانے اور مٹانے میں سب سے آگے ہوں گی اگر ان کی صحیح تربیت نہ کی گئی اور آندھیوں اور طوفانوں سے ان کو نہ بچایا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مورخہ ۷ جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۶۸ء کو بوقت ۸ بجے سہ پہر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء کی والدہ ماجدہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ ایک مختصر علالت کے بعد اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رحلت فرما گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ اپنے زمانے کی عورتوں میں ایک بلند مقام کی مالک تھیں، وہ حافظ قرآن تھیں اور تلاوت و دعا، ذکر و تسبیح کا ان کو بہت عجیب و غریب ذوق اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا تھا، اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہترین مربیہ تھیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ان کی تربیت اور نگہداشت و پرداخت کی بہترین مثال ہیں، وہ شاعرہ بھی تھیں، لیکن ان کی شاعری مناجاتوں اور دعاؤں تک محدود تھی، ان کی متعدد تصنیفات، حسن معاشرت، ذائقہ، اور مناجاتوں کے مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں جو عرصہ سے مسلم گھرانوں میں بیحد مقبول ہیں، وہ صحیح معنوں میں ایک دیندار اور پیکر اصلاح و تقویٰ خاتون تھیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ پر قدرتاً اس حادثہ کا بہت اثر ہے اسلئے کہ مولانا کو اپنی والدہ ماجدہ سے جیسا گہرا اور بے مثال تعلق تھا وہ آج کے معاشرہ میں مفقود ہے، اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائیں اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں، اور ان کے نقش قدم پر دوسری ماؤں اور بہنوں کو چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور مولانا مدظلہ اور تمام اہل تعلق کو صبر جمیل بخشیں۔ (آمین)

دارالعلوم دیوبند کے مشہور عالم بزرگ مولانا مبارک علی صاحب کی وفات کی خبر بیحد انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی، مرحوم دارالعلوم دیوبند کے تقریباً سب سے بزرگ عالم اور نائب مہتمم تھے، اخیر وقت تک وہ اپنی ذمہ داریوں کو نہایت خوش سلیقگی اور اخلاص کے ساتھ انجام دیتے رہے، دوران علالت بھی انہوں نے کاموں کی فکر رکھی اور حتی الوسع بیکار نہیں رہے، مولانا مرحوم بیحد عابد و زاہد اور اہل اللہ میں سے تھے، ان کا شمار اسی دور کے بڑے بزرگوں میں ہوتا تھا، ۸۸ سال کی عمر میں آپنے وفات فرمائی، اللہ آپکی مغفرت فرمائے (آمین)

گذشتہ سے پیوستہ

دعوتِ اسلامی

یک دو ساعت صحبتے با اہل دل

مجلس حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی

مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۶۷ء بروز یکشنبہ بوقت ۱۰ بجے ۱۲/۵۰ م
مخصوص حاضرین مجلس، مولوی عبید الرحمٰن خانصاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خانصاحب ندوی، مولوی محمد نعمان خانصاحب ندوی، سید معشوق علی صاحب (سکریٹری صرف خاص بیگم صاحبہ بھوپال) نواب سید ظہور الحسن خانصاحب (نبیرہ امیر الملک والا جاہ نواب صدیق حسن خانصاحب بہادر) وغیرہ وغیرہ

آج اتوار کی وجہ سے حاضری کی بڑی تعداد تھی خانقاہ کا دالان بھرا ہوا تھا، جدید تعلیم یافتہ اور ایم، اے، ایل کے ملازمین اور انگریزی مدارس کے طلبہ بھی تھے، مضامین کا درد و اور طبیعت کا جوش بھی بہت تھا، تقریر اصلاحی اور دعوتی رنگ لئے ہوئے تھی پہلے اتوار کے معمول کے مطابق مکتوبات امام ربانیؒ کا ایک مکتوب جو نواب قلیج خاں کے نام ہے اور جس میں ان کے اپنے آقائے ولی نعمت کیلئے خدمت نامے لکھنے پر استعجاب و انکار فرمایا گیا، پڑھا گیا مکتوب کا فارسی متن حضرت نے پڑھا، اس کا اردو ترجمہ مطبوعہ کتاب سے حافظ منظور صاحب نے پڑھ کر سنایا پھر سلسلہ گفتگو کا آغاز فرمایا، اور بڑے بلند مضامین لطیف نکات ارشاد فرمائے، اس دریا کو کوزہ میں بند کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے، چند جستہ جستہ مضامین جو عام فہم ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہ گئے، قلم بند کئے جاتے ہیں۔

فرمایا، اعمال و احکام شریعت غذا ہیں، اور درد محبت چٹنی، چٹنی سے اشتہا کھلتی ہے۔ اور کھانے کے ہضم میں مدد ملتی ہے[1] چٹنی، چٹنی ہی کی مقدار میں ہونی چاہیئے اگر چٹنی غذا بن جائے گی تو معدہ ضعیف ہو جائیگا، مجھے چشتیوں کے درد و محبت اور سوز و ساز سے فطری مناسبت ہے، اشعار کا بھی مجھ پر بڑا اثر پڑتا ہے، حضرات نقشبندیہ ہوں یا حضرات چشتیہ، درد و محبت اور ذوق و شوق سے کوئی خالی نہیں میرے پردادا صاحب مولانا رؤف احمد صاحب مجددیؒ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

شراب محبت پلا دے مجھے
تو مستانہ اپنا بنا دے مجھے
ترے جلوے کو دیکھ کر جان و دل
مروں تو ترے عشق سے یوں مروں
رہوں گور میں بھی دیوانہ ترا
نہ موقوف ہو منھ دکھانا ترا
اٹھوں تو ترے دھیان میں پھر اٹھوں
غرض عشق ہی میں جیوں اور مروں

فرمایا، دلی میں ایک نواب فیض محمد خاں تھے بڑے بے تکلف، صاف گو، اور آزاد مشرب، جو جی میں آتا صاف کہہ دیتے، لوگ ان کی اس بیباکی سے ڈرتے تھے اور مجھے بھی ڈراتے تھے، میں ان کی ہر طرح کی باتیں اور اعتراضات سن لیتا تھا، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر طرح کی آزادی اور وسعت دی ہے، علماء نے دین کو بڑا تنگ اور مشکل بنا دیا ہے۔ اور ہر طرح کی پابندیاں عائد کر دی ہیں، فطرت آزادی اور وسعت پسند کرتی ہے اور پابندیوں سے گھبراتی ہے، لوگوں نے خواہ مخواہ ہر چیز پر قدغن لگا رکھا ہے۔ یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ نہ پیو، وہ نہ کھاؤ وغیرہ وغیرہ میں نے کہا کہ ایک مدرسہ ہے جس میں پابندیاں ہیں، لباس کی پابندی، نظام کی پابندی، اوقات کی پابندی تعلیم و امتحانات کی پابندی، دوسرا مدرسہ ہے جس میں کوئی پابندی نہیں، ہر طرح کی آزادی ہے جب جی چاہے آؤ، جتنا جی چاہے پڑھو، پڑھو، نہ پڑھو، جب تک جی چاہے رہو، جو جی چاہے پہنو، لوگ اپنے بچوں کو پہلے مدرسہ میں داخل کریں گے یا دوسرے مدرسہ میں، دوسرے مدرسہ میں تو کوئی بھی اپنے لڑکے کو داخل کر کے اس کی عمر کو ضائع اور آوارہ نہیں بنائے گا، میں نے کہا بس اسلام بھی پہلے ہی قسم کا مدرسہ ہے۔ پابندیاں اور سب تعلیمات اصلاح و تربیت اور نظم و نظام قائم رکھنے کیلئے وہ انسان کے فائدے ہی کے لئے ہیں، ان وجہی اور ضروری پابندیوں سے کہیں بھی اور کسی کو چارہ نہیں اس پر خاموش ہو گئے۔

فرمایا اطباء پہلے معدہ کی فکر کرتے ہیں، معدہ ہی سارے جسمانی نظام پر موثر ہوتا ہے، وہ باورچی خانہ کا مہتمم ہے، میں بھی نسخہ لکھنے میں معدہ کو مقدم رکھتا ہوں جس طرح اطبائے جسمانی علاج میں معدہ کو مقدم رکھتے ہیں، اطبائے روحانی (صوفیہ) پہلے دماغ کی فکر کرتے ہیں دماغ بھی ایک باطنی معدہ ہے، جب تک وہ درست نہ ہو، اخلاقی و روحانی نظام صحیح طریقہ پر عمل نہیں کرتا سب سے پہلے تخیل کو درست کرنے کی ضرورت ہے لوگ الہام و القاء اور خواب کو بڑی اہمیت دیتے ہیں یہ سب تخیل سے متاثر ہوتے ہیں، اگر ایک تخیل قائم ہو گیا اور جم گیا تو بعض اوقات اسی کے مطابق القاء بھی ہونے لگتا ہے اور خواب بھی اسی کی تائید میں نظر آنے لگتے ہیں آسمان کا پانی صاف اور بے رنگ ہوتا ہے لیکن اگر برتن گدلا یا رنگین ہے تو بارش کا پانی گندلا اور رنگین نظر آتا ہے، اس میں پانی کا قصور نہیں بلکہ رنگین گلاس اور بوتل کا قصور ہے، لوگوں نے استخارے کا بھی بہت غلط استعمال شروع کر دیا ہے بدیہیات اور مشاہدات میں استخارہ نہیں ہے، پہلے اللہ نے آنکھیں دی ہیں دیکھنے کے لئے، یہ پتھر ہے یا سنگ مرمر ہے اس کے لئے استخارہ کی ضرورت نہیں، لوگ پہلے دل میں ایک چیز طے کر لیتے ہیں پھر استخارہ کرتے ہیں، اور جب کوئی خواب اس کے مطابق نظر آتا ہے تو اس کو سند بنا لیتے ہیں۔

ایک صاحب نے مجھ سے ایک پردیسی طالب علم کے بارے میں جو بنگال کے رہنے والے تھے اپنی لڑکی کی شادی کرنے کے متعلق مشورہ لیا میں نے کہا کہ وہ پردیسی آدمی ہیں ان کے اخلاق و عادات کا تجربہ نہیں، ان سے شادی کرنے کی میری رائے نہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے ان کی صلاحیت و دینداری خوب دیکھ لی ہے، میں نے عرض کیا کہ برسوں میں بھی آدمی کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی، کہنے لگے کہ انھوں نے مجھ کو بٹھا کر قسم کھائی ہے۔ میں نے کہا کہ یہی جھوٹ کی علامت ہے اگر وہ سچے ہوتے تو کہتے کہ چاہے بیٹی دو، چاہے نہ دو،

[1] لیکن ان دونوں میں تناسب ضروری ہے

میں قسم نہیں کھاؤں گا۔ انھوں نے استخارہ کیا اور راست آیا، شادی کے بعد وہ طالب علم کہنے لگے کہ دھوکا ہوا، اتفاقاً ایک دن پردہ اٹھ گیا تھا، میں نے ایک گوری لڑکی دیکھی تھی، یہ تو کالی ہے۔

فرمایا کہ القاء اور الہام کے لئے کسوٹی قرآن وحدیث ہے جو اس کے مطابق ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کے مخالف ہے غلط ہے، قادیانی خوابوں سے بہت استدلال کرتے ہیں اور ان کو ان پر بڑا اعتماد ہے، حیدرآباد میں مجھے ظہوری پڑھنے کا شوق ہوا، معلوم ہوا کہ ایک استاد اس کے بڑے ماہر ہیں مگر عقیدہ کے قادیانی ہیں اور اپنے مذہب کے بڑے مبلغ بھی ہیں، میں نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لوگوں نے منع کیا، میں نے کہا کہ میں صرف کتاب پڑھنے جا رہا ہوں، مجھے ان کے عقیدہ سے کیا بحث؟ کہنے لگے ہم نے تمہارے جیسے بہت سے لسان دیکھے جو وہاں گئے قادیانی ہوگئے، میں نے کہا کہ میں کوئی پردہ نشین لڑکی نہیں ہوں، پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی ——— کبھی دلیل ہی سے سامنا ہوگیا تو کیا کروں گا؟ اگر میرا ایمان ایسا ہی ضعیف ہے تو کسی اور سے متاثر ہو جاؤں گا، غرض میں وہاں پہونچا فرمایا کیسے آئے؟ میں نے کہا ظہوری پڑھنا چاہتا ہوں، کہنے لگے لاحول ولاقوۃ، نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا فائدہ، میں نے کہا کہ فارسی کی مشکل عبارتیں اور ادبی صنعتیں سمجھ میں آئیں گی، اسی شوق میں پڑھ رہا ہوں، کہنے لگے ہاں، میں نے ایک پرانی استاد سے پڑھا تھا وہ لوگ ان فنوں کے بڑے ماہر ہوتے ہیں، میں تم کو پڑھا دوں گا، کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں قادیانی ہوں، تمہیں لوگوں نے میرے پاس آنے سے منع نہیں کیا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں، پھر تمہیں ظہوری پڑھا دو۔ اس پر خاموش ہوگئے، کہنے لگے کہ "واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الی شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستهزؤن" پر عمل تو نہیں کروگے؟ حضرت فرماتے تھے کہ میری یہ عادت ہے کہ کسی کی بات کہیں دوسری جگہ نقل نہیں کرتا تھا، نہ ایک کا راز دوسری جگہ فاش کرتا تھا۔

الحاصل سبق شروع ہوا، جب ذرا بے تکلف ہوئے، تو کہنے لگے کہ تم مجھے جانتے ہو، فلاں بزرگ جن کا فلاں جگہ مزار ہے، میں ان کی اولاد میں ہوں، میرے مرزا صاحب پر ایمان لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہے جس پر سرور کائنات حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، سامنے اولیاء اور صلحاء کا مجمع ہے، ارشاد ہوا کہ اس کو لاؤ، فرشتے مرزا صاحب کو لئے ہوئے آئے اور ارشاد ہوا یہی وہ ہے جو میرے بعد مبشر ہے اور جس کے لئے "اسمہ احمد" آیا ہے بس میں اسی دن سے ایمان لے آیا، وہ اور دلائل دیتے تھے اور مجھ کو قائل کرنا چاہتے تھے، میں نے عرض کیا کہ میرا دماغ تو ابھی کچھڑے کی گاڑی ہے، میں ان باتوں کو ابھی سمجھ نہیں سکتا، پہلے قرآن و حدیث پڑھا دیجئے اور اس کو گلاب وعنبر سے بھر دیجئے پھر مجھے تمیز ہوگی اور میں صحیح رائے قائم کر سکوں گا، میں دیکھتا تھا کہ ان کو تکثیر جماعت کی بڑی فکر رہتی تھی، لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کیلئے وہ اپنے اثرات استعمال کرتے تھے، کسی کو نوکر رکھانا کسی کی شادی کرا دینا، کسی کی سفارش کرنا، یہ سب شعبے ان کے یہاں قائم تھے، کسی راستے سے بھی کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہو جائے، اس کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کیا کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں حقانی، ربانی، خدا پرست لوگوں کو اس کثرت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، وہ کثرت سواد سے زیادہ احکام الٰہی کے اجراء اور دین وشریعت کی حفاظت کا خیال رکھتے ہیں، اس میں لوگ بڑھیں یا گھٹیں کوئی آئے یا جائے ان کو کوئی پرواہ نہیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بادشاہ غسان جبلہ ابن ایہم کے ایک غریب بدو کو طمانچہ مار دینے پر قصاص طمانچہ مارنے کا حکم دیا، اس پر وہ برہم ہوکر اپنے سب لوگوں کو لیکر چلا گیا اور مرتد ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ انھوں نے اللہ کے حکم کو قائم رکھا۔

میرا سبق اسی طرح جاری رہا اور ان کی تبلیغی کوششیں بھی جاری رہیں، ان کے ایک بہت بڑے مقرب اور معتمد خادم اور مرید تھے، جو ہر وقت ان کے پاس رہتے تھے ایک دن انھوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ مولانا ——— انوار اللہ خان صاحب تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، آسمان سے فرشتے اترے اور ان کے تخت کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے، مولانا انوار اللہ خان صاحب[1] جو نظام کے استاد بھی تھے قادیانیت کے بڑے مخالف اور دشمن تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں نہ قادیانیوں کی کوئی مسجد بننے دی، نہ ان کی کوئی کتاب حیدرآباد میں چھپنے دی، وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کے خلیفہ اور بڑے باخدا درویش صفت عالم تھے، میں نے دیکھا کہ خواب سنتے ہی مولوی صاحب کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، گورے چٹے آدمی تھے، چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی، کہنے لگے کہ شاید تم کو مولانا انوار اللہ خان صاحب سے کچھ عقیدت تھی برتن کا جو رنگ ہوتا ہے پانی بھی اسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے، کہنے لگے کہ حاشا وکلا میں تو حضرت کا خادم اور ہم عقیدہ ہوں، مجھے ان سے کیا سروکار؟ وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے، بہرحال

چاہا کہ عرض کردوں کہ آپ اپنے خواب کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ وہ کیسے دلیل اور سند بن سکتا ہے؟

بعض اہل علم جو کسی ایک امام کے پیرو نہیں ہیں اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ آئمہ کی پیروی کا کیا ثبوت، اتباع تو اللہ اور رسول، کتاب وسنت کا مطلوب ہے حالانکہ دراصل آئمہ وعلماء کی بالذات پیروی اور اطاعت نہیں بالذات اور بالاستقلال پیروی تو اللہ اور رسولؐ ہی کی ہے لیکن عرف میں اسی طرح کہا کرتے ہیں کہ ہم فلاں کے متبع ہیں اور فلاں کے مقلد، ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کلثوم بیا کی مسجد میں نماز پڑھی اور دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اللہ کے گھر میں نماز پڑھی، ایک ناواقف آدمی دوسرے ہی کو فضیلت دے گا کہ اس نے براہ راست اللہ ہی کے گھر نماز پڑھی ہے حالانکہ پہلے نے بھی مسجد میں نماز پڑھی اور دوسرے نے بھی مسجد میں، لیکن عرف میں فلاں کی مسجد، فلاں کا محلہ کہتے ہیں، حقیقت میں سب اللہ ہی کے گھر ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: "واتبعت ملة آبائی ابراهیم واسحاق ویعقوب" حالانکہ وہ اللہ اور اس کی شریعت ہی کے متبع تھے۔

فرمایا کہ انگریزی ذریعہ معاش کے طور پر پڑھنے میں حرج نہیں، اس کو اصل کام اور ترقی نہ سمجھے الفاظ و تعبیرات میں بڑی خاصیت ہے، انھیں سے آدمی کے ذہن و تخیل کا اندازہ ہوتا ہے، میرے پاس ایک صاحب آئے، ان کا لڑکا انگریزی فوج میں تھا، وہ میدان جنگ میں ختم ہوگیا، کہنے لگے کہ میرا لڑکا کام آگیا۔

میں نے کہا کہ یہ لفظ ہرگز نہ کہئے۔ اس کو کام آنا نہیں کہتے، کہنے لگے کہ اس نے وصیت کی ہے کہ میرے لڑکے کو تعلیم دلائی جائے، میں نے ارادہ کیا ہے کہ پہلے اس کو حفظ کراؤں گا، پھر انگریزی تعلیم دلاؤں گا، میں نے کہا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا تیار ہو، پھر گوبر یا لید کو پیس کر اوپر سے ڈال دیا جائے، وہ قرآن کے حفظ کی کیا قدر و حفاظت کرسکے گا سوائے اس کے کہ اسکو ضائع کرے، اور وقت کو ضائع ہونے پر افسوس ان نتیجہ نہ ہوگا انگریزی پڑھکر دیندار بننا عربی پڑھ کر بے دین بننے سے بہتر ہے، بعض ہندوستانی طالب علم جو مدینہ طیبہ میں تعلیم پاتے ہیں ملنے آئے دیکھا تو سر ننگا اور داڑھی منڈی ہوئی، ان کو اس کا خیال نہ آیا کہ ہم جس پاک سرزمین میں رہتے ہیں اس سے مناسبت پیدا کریں ان سے تو وہ انگریزی داں اعلیٰ تعلیم یافتہ کہیں بہتر ہیں جو وہاں بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔

باقی آئندہ

[1] نواب فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خان صاحب

مولانا محمد اسباط صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حق تعالیٰ جل شانہ، حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی، وہ کسی کو عالم آخرت سے عالم دنیا کی طرف بھیجتے ہیں اور کسی کو عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف یہ سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہیگا، کسی کو حق نہیں کہ اس میں چون وچرا کرے یا اس پر جزع وفزع کرے لیکن دل جو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے اور اس میں تاثر و انفعال کا مادہ پیدا کیا ہے اس لئے کسی ایسی ہستی کے اٹھ جانے سے جس سے محبت ہو حزن وملال ہونا بھی بالکل فطری چیز ہے، خصوصاً جب وہ ایسی ہستی ہو جس سے آدمی فائدہ بھی اٹھا رہا ہو، اور اس کے اٹھ جانے سے اس فائدہ سے محروم ہو جائے۔

استاذ محترم مولانا اسباط صاحب مرحوم کی ہستی بھی ایسی ہی تھی ان کے علم وعمل سے جو دینی فوائد پہونچ رہے تھے ان سے محرومی کا احساس مولانا کی یاد کو دل سے زائل نہیں ہونے دیتا، آنکھیں تو اپنا کام کرکے تھک گئیں مگر دل کا کام ابھی ختم ہوا ہے اور شاید ساری عمر ختم نہ ہوگا آنکھیں نہ روئیں مگر دل روتا رہیگا۔

مولانا میرے ہی استاذ نہ تھے بلکہ دارالعلوم کے متعدد اساتذہ کے استاذ تھے اور راقم السطور کو علم دین میں جو شد بد پیدا ہوگئی، اس میں حقیر کے دوسرے اساتذہ سے کچھ زائد ہی مولانا مرحوم کی فیض رسانی اور شفقت کو دخل ہے۔ شفقت کی یاد نے دل کو بے چین کر دیا، سچ یہ ہے کہ مولانا کی جو شفقت اپنے شاگردوں پر مبذول رہتی تھی وہ اساتذہ میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے، خصوصاً راقم السطور کے ساتھ جس مربیانہ شفقت ومحبت کا اظہار استاذ مرحوم فرماتے تھے اس کی نظیریں تو بہت ہی نادر و کمیاب ہیں۔

اس خصوصیت کے علاوہ کچھ اور بھی خصوصیتیں استاذ مرحوم میں ایسی تھیں جو انہیں علماء کی صف میں ایک امتیازی مقام عطا کرتی ہیں۔ علمی استعداد اعلیٰ درجہ کی اور بہت پختہ تھی، نہ صرف عالم دین تھے بلکہ عالم گر تھے طرز تعلیم کی خوبی یہ تھی کہ طالب علم صرف معلومات لیکر نہیں اٹھتا تھا بلکہ اس کے ذہن میں نشو ونما ہوتا تھا، آگے قدم بڑھانے کی صلاحیت واستعداد ترقی کرتی تھی اور قوت فکر ونظر میں بالیدگی پیدا ہوتی تھی، وہ طالب علم کو ہاتھ پکڑ کر چلانے کے قائل نہ تھے بلکہ اسکی ٹانگوں میں چلنے کی قوت پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور اس میں کامیاب ہوتے تھے اس کامیابی کا ایک سبب تو ان کا طرز تعلیم تھا اور دوسرا یہ تھا کہ مولانا کے دل میں یہ حرص وہوس یہ خواہش تھی کہ ان کے شاگرد اعلیٰ سے اعلیٰ استعداد حاصل کرلیں اسکے لئے مولانا کوشش کے علاوہ دعائیں بھی فرمایا کرتے رہتے ——— ذکر تھا مولانا مرحوم کی خصوصیات کا۔ علمی استعداد کی بلندی وپختگی تو بکثرت علماء میں پائی جاتی ہے اگرچہ یہ کثرت روز بروز قلت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے تاہم یہ خصوصیت اتنی اہم نہیں ہے مگر اس کے ساتھ جو چیز مولانا میں پائی جاتی تھی یعنی تواضع وبے نفسی وہ موصوف کے امتیاز میں اور اضافہ کر دیتی ہے اور جس کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے علم اور ایسی استعداد کے ساتھ بہت کم پائی جاتی ہے، مولانا سے ملنے کے بعد یہ محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ انہیں اپنے صاحب علم ہونے کا بھی کچھ احساس ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسی تواضع کا برتاؤ فرماتے تھے کہ وہ شرمندہ ہوجاتے تھے، تکلف اور تصنع سے مولانا کو مطلق لگاؤ نہ تھا، ہر بات میں سادگی اور بے تکلفی بالکل طبعی چیز تھی، کسر نفسی کے ساتھ ایثار، سیر چشمی، صبر واستقامت کے اعلیٰ صفات بھی موصوف میں نمایاں تھے، کچھ عرصہ سے نگاہ جاتی رہی تھی لیکن کتابیں اس قدر مستحضر تھیں کہ بلا تکلف درس دیتے تھے اور مضامین کی آمد میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

مولانا مرحوم نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ سے فراغت حاصل فرمائی تھی اور درس نظامیہ کی تکمیل کی تھی، بعد فراغت وہیں استاذ مقرر ہوئے اور تقریباً ۸ سال تک درس دیتے رہے ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر قسم و درجہ کی کتابیں پڑھائیں، اسکے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے اور تقریباً ۸ سال یہاں درس دینے میں مصروف رہے، سلسلۂ درس آخر عمر تک جاری رہا یہ سلسلہ منقطع ہوا تو رشتۂ حیات بھی منقطع ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور صالح بندوں کی محبت سے مولانا کا دل معمور تھا حضرت مولانا عبدالشکور صاحب سے بیعت تھے لیکن سیدی ومرشدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اتنی ہی عقیدت ومحبت تھی جتنی اپنے شیخ طریقت کے ساتھ، بزرگوں کے ساتھ اسی محبت وعقیدت کا اثر تھا کہ مولانا کو اہل اللہ کے واقعات واقوال کثیر تعداد میں ازبر تھے خصوصاً حضرات اکابر چشتیہ نقشبندیہ کے متعلق تو ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ اس سلسلہ کے ساتھ مرحوم کو خاص انس وشغف تھا اور حضرت مجدد الف ثانی رح کے ساتھ تو گویا عشق تھا۔

علمی اعتبار سے یوں تو مولانا میں شان جامعیت پائی جاتی تھی لیکن کلام اور فقہ سے خاص مناسبت تھی، افتا کی خدمت بھی عرصہ تک انجام دیتے رہے اور اس علم کی اعلیٰ کتابوں کی تعلیم بھی برسہا برس انہیں کے متعلق رہی، کچھ تو عمر کا تقاضا اور کچھ کثرت آلام ومصائب کا اثر کہ مولانا کی طبیعت ادھر چند سال سے پژمردہ ہوگئی تھی مگر کیفیت یہ تھی کہ ان کے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا، مولانا کے پاس جاکر پژمردہ دل میں بھی شگفتگی پیدا ہوجاتی تھی ان کی مخلصانہ محبت وشفقت کا اثر محض دل کی شگفتگی تک محدود نہ تھا بلکہ صلاح قلب میں بھی ظاہر ہوتا تھا، معلوم نہیں کتنے ایسے افراد ہیں جنکے اصلاح قلب وعادات میں مولانا مرحوم کی صحبت کو بہت دخل ہے تنہا میری ہی نہیں بلکہ بعض ایسے لوگوں کی بھی جنہیں مولانا سے شرف تلمذ حاصل نہیں ہے یہ رائے ہے کہ مولانا کے پاس بیٹھنے والوں پر جس چیز کا غلبہ ہونے لگتا تھا اور ان کی زندگی میں ایک خوشگوار و پسندیدہ تغیر ظاہر ہونے لگتا تھا مولانا کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے ان سب ... جائیدادیں میری درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کیلئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت ورحمت ورفع درجات کا کوئی معمول مقرر فرمائیں

از مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی

کوئی خوش ہے تو کوئی بدگماں ہے

(از رشید الشاکری ندوی)

نشاطِ گل بھی اک بارِ گراں ہے
بڑا نازک مزاجِ باغباں ہے

نظر ان کی جو مجھ سے بدگماں ہے
انہیں مقصود میرا امتحاں ہے

یہ کس کا نام زیبِ داستاں ہے
کوئی خوش ہے تو کوئی بدگماں ہے

مجھے ڈر ہے کوئی طوفاں نہ اٹھے
مری آنکھوں میں ہر آنسو جواں ہے

اگر جینا ہے مرنا سیکھ لیجے
یہ پیغامِ حیاتِ جاوداں ہے

مری پلکوں پہ اشکوں کے یہ قطرے
اسیرِ غم نگاہ کہکشاں ہے

دلوں کی کیفیت اللہ جانے
نگاہوں میں خلوصِ بیکراں ہے

یہ تیزی نبض کی، یہ دل کی دھڑکن
نگاہِ ناز شاید مہرباں ہے

اے بجلی! آزمالے زور اپنا
یہ اجڑا سا مرا ہی آشیاں ہے

یہ ربطِ ذرہ و خورشید دیکھو!
جبیں میری ہے، ان کا آستاں ہے

حقیقت جا کے اُن سے پوچھ لینا
رئیس ان کا سنا ہے نیم جاں ہے

شعر و ادب

کتاب ہستی

(از ابوالاسرار رمزی اٹاوی جودھپور)

جنوں میرا کبھی تو زندگی میں کارگر ہوگا
کبھی تو میری دل کی بات کا ان پر اثر ہوگا

فسانہ زندگی کا ایکدن یوں مختصر ہوگا
کہ آنکھیں بند ہونگی اور دنیا سے سفر ہوگا

یں پھیلاؤنگا پھیلاؤنگا پھیلاؤنگا دینِ حق
مری آواز سے سارا جہاں زیر و زبر ہوگا

کتابِ ہستیٔ فانی کی سطریں سوچکر لکھئے
کہ یک یک حرف اسکا حشر میں زیرِ نظر ہوگا

نہ رکھ محروم سجدوں سے جبینِ زندگی رمزی
وگرنہ وقت کھو دینے کا صدمہ عمر بھر ہوگا

غزل

(از محمد عبداللہ عابد ردولوی)

ہنسنے والے جسے پھولوں کی ہنسی کہتے ہیں
اسکو انجام سے ہم بیخبری کہتے ہیں

تیرے غم ہی کو حقیقت میں خوشی کہتے ہیں
تجھ پہ مرنے کو حیاتِ ابدی کہتے ہیں

اس کو سمجھے تو فقط اہلِ جنوں ہی سمجھے
عشق کیا ہے؟ کسے آشفتہ سری کہتے ہیں

قصۂ جورِ بتاں حضرتِ واعظ جانیں
ہم تو افسانۂ حسن بشری کہتے ہیں

ذرہ خورشید تو قطرہ نظر آئے دریا
اس بصیرت کو وسیع النظری کہتے ہیں

آپ آئے تو ہر اک رگ میں لہو دوڑ گیا
مرحبا! اس کو مسیحا نفسی کہتے ہیں

حاصلِ عشق نہیں چاک گریباں ہونا
اصل دیوانے اسے جامہ دری کہتے ہیں

باغِ رضواں جسے کہتے ہیں زمانے والے
ہم تو اے دوست اسے تیری گلی کہتے ہیں

خوب کھینچا ہے سراپائے جمالِ محبوب
اے تصور! اسے تصویر کشی کہتے ہیں

آپ ہی پر نہیں موقوف جناب ناصح
اپنے مطلب کی زباں میں سبھی کہتے ہیں

شعر عابد تو مرقع ہے جگر سوزی کا
اسی انداز کو شعلہ نفسی کہتے ہیں

گذشتہ سے پیوستہ

مسلم پرسنل لا شریعت کے آئینہ میں

از:- مولانا منت اللہ صاحب رحمانی

اس طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ہر دور میں پیدا ہونے والے نئے مسائل اور نئے حالات میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ایک واضح طریق کار متعین فرمادیا، اور وہ یہ کہ شریعت میں مختلف مسائل پر احکام کی جو نظریں منصوص اور منقول ہیں ان پر نگاہ رکھی جائے تاکہ غیر منصوص مسائل کو منصوصات پر قیاس کیا جاسکے اور ساتھ ہی ساتھ اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان نظائر کے درمیان جو باریک فرق ہے ان پر بھی نگاہ رکھی جائے، تاکہ اشتباہ نہ ہونے پائے، اور پھر اس بنیادی اصول کی طرف بھی رہنمائی فرمادی کہ احکام کی روح اور مشروعیت کے مقاصد کو کبھی نظرانداز نہ کیا جائے۔

تاکہ نئے مسائل میں احکام کے استخراج کے وقت مصالح شرعی فوت نہ ہونے پائیں اور شارع کی نظر کسی حکم کی مشروعیت کے وقت جن حکمتوں پر رہی ہے وہ فوت نہ ہو جائیں۔

اور آثار صحابہ کے تتبع سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بہتیرے مسائل میں صحابہ نے یہی راہ اختیار کی ہے اسی طرح علماء مجتہدین اور ہر دور کے علماء اپنے وقت کی ضرورتوں اور اصول شریعت کو سامنے رکھکر اپنے دور کے مسائل کا حل کرتے رہے ہیں جن کے نظائر سے فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، خود سیدنا عمرؓ نے اپنے بہت سارے فیصلوں میں قرآن و سنت کی روح اور وقت کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھکر احکام جاری کئے ہیں مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں عورتیں مسجد جایا کرتی تھیں لیکن سیدنا عمرؓ نے سیکڑوں برس پہلے فتنہ کی بو محسوس کرلی، اور زمانہ کی تبدیلی اور حالات کے انقلاب نے انہیں اس نتیجہ پر پہونچایا کہ نگاہوں کی عصمت جو زمانہ نبوت میں تھی وہ باقی نہیں رہی ہے، مسجد کی فضیلت اور فتنے کے دروازوں کو بند کرنا، دونوں کے درجوں میں جو فرق ہے اسے سامنے رکھا، اور عورتوں کو مسجد کی حاضری سے حکماً روک دیا، اسی طرح مجاہدین کے بارے میں حکم دیا کہ وہ چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہیں، ایک طرف جہاد اور جنگی حالات کا تقاضا اور دوسری طرف مسلمانوں کی معاشرت اور ان کے سماج کو فتنوں سے محفوظ رکھنا، دونوں حالات پر غور کرکے سیدنا عمرؓ نے چار ماہ کی حد مقرر فرمادی، اسی لئے القضاء فی الاسلام کے مصنف نے لکھا ہے۔

فکان عمر یجتھد فی تعرف الحکمة التی نزلت فیھا الآیة ویحاول معرفة المصلحة التی جاء من اجلھا الحدیث ویاخذ بالروح لا بالحروف (القضاء فی الاسلام ص۱۰۲ کتاب قضاء عمر)

اسی طرح بعد کے علماء نے حالات اور زمانہ کے تقاضوں کو ہمیشہ نگاہ میں رکھا، چنانچہ امام ابوحنیفہ رح مدعا علیہ کی حاضری، سماع دعوی، سماع شہادت اور فیصلہ ان تینوں اوقات میں ضروری قرار دیتے ہیں اور اگر ان تینوں اوقات میں سے کسی وقت بھی مدعا علیہ غیر حاضر ہو جائے تو اسے قضاء علی الغائب قرار دیتے ہیں، اور ایسا فیصلہ نافذ تسلیم نہیں کرتے، بخلاف اس کے امام یوسف صاحب علیہ الرحمۃ جنکو امور قضاء سے زیادہ سابقہ پڑا، فرماتے ہیں کہ مدعا علیہ کی حاضری صرف دعویٰ اور شہادت کے وقت ضروری ہے بعد کے علماء نے جب یہ محسوس کیا کہ بعض اوقات مدعا علیہ حاضر نہیں ہوتا اور نہ اس کا حاضر کیا جانا ممکن ہے، اور اگر اس شرط کی پابندی کی جائے تو سینکڑوں انسانوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور نظام قضا کی بنیادی مصلحت یعنی حقوق کی حفاظت اور عدل کا قیام ختم ہو جائے گا اور احکام معطل ہو جائیں گے، تو انہوں نے اس معاملہ کو قاضی کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا کہ وہ واقعات کی اصل نوعیت پر غور کرکے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، اور حرج و ضرورت کا خیال رکھے اور پھر ان سارے حالات و مسائل کو پیش نظر رکھکر قاضی فیصلہ کرے اور مفتی فتویٰ دے، شامی نے جامع الفصولین کے حوالے لکھا ہے

قال فی جامع الفصولین قد اضطربت آراؤھم وبیانھم فی مسائل الحکم للغائب وعلیہ ولم یصف ولم ینقل عنھم اصل قوی ظاھر یبنی علیہ الفروع بلا اضطراب ولا اشکال فالظاھر عندی ان یتامل فی الوقائع ویحتاط ویلاحظ الحرج والضرورات، فیفتی بحسبھا جوازا وفسادا مثلاً لو طلق امرأتہ عند العدل فغاب عن البلد ولا یعرف مکانہ او یعرف ولکن یعجز عن احضارہ او عن ان تسافر الیہ ھی او وکیلھا لبعدہ او لمانع آخر وکذا المدیون لو غاب ولہ نقد فی البلد او نحو ذلک ففی مثل ھذا لو برھن علی الغائب وغلب علی ظن القاضی انہ حق لا تزویر ولا حیلة فیہ فینبغی ان یحکم علیہ ولہ وکذا للمفتی ان یفتی بجوازہ دفعا للحرج والضرورات وصیانة للحقوق عن الضیاع مع انہ مجتھد فیہ ذھب الیہ الائمة الثلاثة وفیہ روایتان عن اصحابنا وینبغی ان ینصب عن الغائب وکیل یعرف انہ یراعی جانب الغائب ولا یفرط فی حقہ۔ واقرہ فی نور العین قلت ویؤید ما یاتی قریبا فی المسخر وکذا ما فی الفتح من باب المفقود لا یجوز القضاء علی الغائب الا اذا رای القاضی مصلحة فی الحکم لہ وعلیہ فحکم فانہ ینفذ لانہ مجتھد فیہ، قلت وظاھرہ ولو کان القاضی حنفیا ولو فی زماننا ولا ینافی ما مر لان تجویز ھذا للمصلحة والضرورة

(شامی ج ۴ ص۳۵۳)

اسی طرح استئجار علی الطاعات کا مسئلہ ہے جس کے بارے میں متقدمین کا فتویٰ عدم جواز کا تھا لیکن جب نظام بیت المال فاسد ہوا اور حالات ایسے پیدا ہوگئے۔

آج کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو اندر اور باہر دونوں طرف سے اپنے آپکو خطرہ میں نہ سمجھتا ہو آج پوری دنیا آلات حربیہ کے چکر میں ہے کیونکہ اسکو اطمینان نہیں ہے

عوام اور خود حکومتوں کو ہلاکت سے بچانیکا مسئلہ اب حکومتوں کے اختیار سے باہر ہو چکا ہے اب اگر تعمیری کام دنیا میں ہوگا تو ہم سے ہوگا اور اللہ کے احکام پر چلکر ہوگا۔

تعمیر کی بنیاد صرف لا الٰہ الا اللہ والے طریقہ پر ہے اس کے سوا جتنے بھی طریقے آج بتائے جا رہے ہیں سب غلط ہیں

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر!

یہ تقریر حضرت مولانا نے ۲۶ رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۰ فروری سنہ ۱۹۶۳ء کو مرکز نظام الدین میں فرمائی تھی، مولوی تسخیر حسن صاحب ندوی نے اسکو نوٹ کیا انکے شکریہ کیساتھ شائع کیجارہی ہے

حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:

اسوقت دنیا میں سارے انسان پریشان ہیں، اکثریت اپنی جگہ پریشان ہے اقلیت اپنی جگہ پریشان ہے، امریکہ اور روس اپنی اپنی جگہ پریشان ہیں اور دنیا کے تمام مبصر اپنی اپنی جگہ خطرہ محسوس کر رہے ہیں اور اس خطرہ اور پریشانی کو دنیا بھر کے انسان محسوس کر رہے ہیں لیکن اس کو دور کرنے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آرہی ہے اسلئے سب کے سب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں آجکل اللہ نے انسانوں کے ہاتھوں ایسی چیزیں بنا دی ہیں کہ ایک معمولی سے گولے سے پوری دنیا ختم ہو سکتی ہے اور پورا صوبہ و پورا ملک بھی ختم ہو سکتا ہے، اب ایسے گولے بن تو گئے ہیں لیکن طے یہ کر لیا کہ چلانا مت، کیونکہ ہر ایک دوسرے سے ڈرتا ہے امریکہ کو ڈر ہے کہ اگر میں نے چلا دیا تو روس بھی چلا دے گا اسی طرح روس کو بھی یہی ڈر ہے، لیکن دونوں ایسے گولے کے بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور جس دن دونوں میں سے کسی کو بھی یہ اطمینان ہو گیا کہ میں دوسرے کے حملے سے بچ جاؤں گا، اسی دن وہ اپنا گولہ چلا دے گا لیکن جب تک اطمینان نہیں ہوتا اسوقت تک دونوں تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں اس انتظار میں ہیں کہ دوسرا اگر کمزور ہو تو ہم اس پر حملہ کر دیں بالکل اسی طرح جسطرح کہ دو فوجی بندوق لئے ایک دوسرے کو مارنے کے لئے کھڑے ہوں اور جہاں ایک نے دوسرے کو غافل دیکھا بس اس پر بندوق چلا کر اس کو ختم کر دیا، آج پوری دنیا دفاع حربیہ کے چکر میں ہے کیونکہ اس کو اطمینان نہیں ہے اور انہیں آلات حربیہ کے لئے دفاع کے نام پر بے شمار دولت خرچ ہو رہی ہے اور اس دولت کو خرچ کرنے کیلئے وہ عوام کو چوس رہی ہے بیچارے عوام بھوکے ہوں، ننگے ہوں، پیاسے ہوں انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، آج ہر ملک اسی دفاعی چکر میں پڑ کر اپنی پبلک کو ناراض کر رہا ہے، آج کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو اندر اور باہر دونوں طرف سے اپنے آپ کو خطرہ میں نہ سمجھتا ہو یہ صرف اسلئے ہو رہا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے جو کچھ بتلایا ہے اسی پر عمل کرنے کو خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے، ان تمام فرمانوں سے عناد برتا گیا تو کیا جب اللہ کے احکامات کا مذاق اڑایا جائے گا تو اللہ ایسی تمام چیزیں اپنی قدرت سے کر کے دکھا دینگے جو انسان کو تباہ کر دیں اور جس سے انسان خطرہ ہی خطرہ میں رہیں، یہ سب اسلئے ہے کہ ہم نے عملوں پر بالکل ہی یقین نہیں کیا بلکہ صرف چیزوں پر یقین رکھا ہے اور اگر عملوں پر یقین رکھتے بھی ہیں تو سیاسی نقطۂ نظر سے اگر مذہب کو مانا جاتا ہے تو محض سیاسی چال کے واسطے تاکہ مذہب کے نام پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر سیاسی کامیابی حاصل کی جائے، قرآن و حدیث سب پڑھتے ہیں مگر اپنے آپ کو پابند مانتے ہیں موجودہ سیاست کا اور ملک و مال کے نقشوں پر عمل کرتے ہیں، اعمال پر یقین رہا نہیں، بس یہی ہے وہ بنیاد جس پر چلتے چلتے آج پوری دنیا ہلاکت کے قریب پہونچ چکی ہے، اب کسی میں ہمت نہیں کہ اپنے آپ کو اس ہلاکت سے بچا سکے، عوام اور خود کو ہلاکت سے بچانے کا مسئلہ اب حکومتوں کے اختیار سے باہر ہو چکا ہے، حکومتیں تعمیر کر ہی نہیں سکتیں، یہ تو صرف تخریب جانتی ہیں، اب اگر تعمیری کام دنیا میں ہوگا تو وہ ہم سے ہوگا اور اللہ کے احکامات پر چل کر ہوگا، چیزوں کی بنیاد پر چل کر نہیں ہوگا کیونکہ یہ تخریب کی بنیاد ہے۔ تعمیر کی بنیاد صرف لا الٰہ الا اللہ والا طریقہ ہے، آج جتنے بھی آدمی تعمیر کے دوسرے طریقے بتاتے ہیں، وہ سب جھوٹ بول رہے ہیں، یہ لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے، صرف اللہ کرتے ہیں وہی سب کچھ بناتے اور بگاڑتے ہیں اور محض اپنی قدرت سے بناتے ہیں انہیں کے نظام کے تحت تمام چیزیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں، انسان تو صرف چیزوں کو استعمال کرتے ہیں اور محض اللہ کی قدرت سے استعمال کرتے ہیں اگر لقمہ ہاتھ میں ہی کیوں نہ ہو لیکن بغیر اللہ کی قدرت کے منہ میں لقمہ بھی نہیں جا سکتا ہے اس لئے کہ ہمارے ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں ہے بس لا الٰہ الا اللہ پر یقین رکھو جس سے جتنی بھی چھوٹی بڑی مشکلیں دنیا میں ہیں ان سے نہ ہونے کا یقین بن جائے گا صرف اللہ سے ہونے کا یقین رہ جائے گا، اس لئے اللہ اگر چاہیں گے تو آگ میں ڈال کر چمکا دیں گے، مال و متاع سب کچھ چھین کر چمکا دینگے، کیونکہ خدا اپنی قدرت سے سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن یہ حکومتیں کچھ بھی نہیں کر سکتی ہیں، اگر یہ اپنی قوت و طاقت سے کسی کو برباد کرنا چاہیں تو یہ ایسے برباد نہیں کر سکتیں بلکہ خود برباد ہو جائیں گی۔ آج انہیں چیزوں کے یقین میں پڑ کر سب پریشان ہیں، حاکم بھی پریشان ہیں محکوم بھی پریشان ہیں، سب ہی پریشان ہیں اب اگر محمد ﷺ والے عملوں پر زندگی گذاری جائے تو یہ پریشانی دور ہو جائے گی، محمد ﷺ اللہ کی طرف سے جن عملوں کو لیکر آئے تھے ان عملوں پر چل کر ہی پرورش ہو سکتی ہے، یہ یقین بٹھا لو کہ مال سے نہیں ہوتا دولت سے نہیں ہوتا کسی سے بھی نہیں ہوتا ہے صرف اللہ سے ہوتا ہے اور وہ محض اپنی قدرت سے کرتے ہیں اور عملوں پر کرتے ہیں، عملوں سے کپڑے ملتے ہیں عملوں سے رزق ملتا ہے، آلات حربیہ عملوں سے معطل ہو جاتے ہیں، عملوں کے ذریعہ ہی دنیا سے تخریب سلب ہو جائے گی تعمیر عام ہوگی۔ اب اگر دنیا میں جتنے لوگ بھی بستے ہیں سب کے سب کام عملوں سے چلنے لگیں تو پھر کتنا مزا آئے گا۔ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے مانگا اور کپڑے مل گئے کھانا مل گیا، بس اب جو کچھ مانگنا ہو اللہ سے مانگ لیا۔ اگر دنیا کے سارے کام نماز ہی سے ہونے لگیں تو پھر بڑا مزا آئے گا اور سارا ملک سارا عالم مزے میں ہو جائے گا، اچھے عملوں سے بیمار جہازوں کی بمباری بھی نہ چلے گی، تمام دنیا کی تدبیریں بیکار ہو جائیں گی، ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ اپنی قدرت سے کر کے دکھا سکتے ہیں اور اللہ نے کر کے دکھا بھی دیا ہے اور یہ ممکن ہے۔ بس اب ایسا ہونے لگے اور نماز والا بننا آ جائے۔ تو سارا عالم تمہاری طرف دوڑے گا، امریکہ و روس تمہاری طرف مائل ہوں گے سب تمہاری خوشامدیں کریں گے بس اب اگر ایک طبقہ ایسا ہو جائے جو اسکو کرنے لگے کہ وہ صرف اعمال سے زندگی بنائے گا اور صرف عملوں پر اپنے آپ کو ڈال دے، عملوں سے اپنی زندگیاں بنانے کے واسطے نماز پڑھ کر اللہ سے مانگو، قحط دور کرنا ہو تو نماز پڑھ کر اللہ سے مانگو اگر جنگ کے خطرات تم پر مسلط ہوں تو اس کو دور کرنے کی صورت یہی ہے کہ اللہ سے نماز پڑھ کر مانگو اللہ جنگ کے خطرات دور کر دیں گے، قرضہ اتروانے کی صورت یہ ہے کہ نماز پڑھ کر اللہ سے مانگو بیماری سے شفا پانے کے لئے بھی اللہ سے ہی مانگو، سو فیصد چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے نماز کا سہارا لو لیکن ایسی نماز خود بخود نہیں آ جائے گی بلکہ ایسی نماز سیکھنے کے لئے تمہیں محنت کرنی پڑے گی ایسی نماز کے لئے وقت لگا کر نماز سیکھو جس سے تمہاری ہر قسم کی ضرورت پوری ہو جائے اس لئے ایسی نماز سیکھنے پر محنت کرو اس کے لئے پہلے کائنات پر سے اپنا یقین ہٹاؤ اور اللہ سے ہونے کا یقین دل میں بٹھاؤ اب نماز سیکھنے کیلئے محنت کرو جو علم کے اعتبار سے مکمل ہو۔ اخلاص کے اعتبار سے پوری ہو اس لئے اپنی نماز پر محنت کر کے ایسی نماز سیکھ لی جائے جس سے اللہ سے لینا آ جائے، ہر طرح کا عمل نماز سے شروع ہو، اگر ہم اس طرح نماز سے سب کچھ لینا جان جائیں تو دنیا کے تمام موت سے ہم بچیں گے چاہے ہمارے پاس دنیاوی ساز و سامان کچھ نہ ہو اور وہ لوگ ہلاک ہوں گے جو ہمارے مخالف ہوں گے چاہے ان کے پاس دنیا کے تمام ساز و سامان کیوں نہ موجود ہوں، اگر ہم کو نماز پڑھنا آ جائے تو جب لوگ بھوکوں مر رہے ہوں گے ہم اس وقت بچیں گے، مگر ایسی نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھنا ہوگا اور اس کے لئے نماز پر محنت کرو اور اس محنت پر ڈٹ جاؤ اور ایسی نماز سیکھو کہ سب کا یقین اللہ پر آ جائے، اب اگر ملازمت چھوٹ جائے، دوکانداری فیل ہو جائے تو اس پر افسوس نہ ہوگا بلکہ اپنی نماز پر یقین ہو اور اس سے اللہ کو لینا آ جائے گا، جب نماز پڑھنا آ جائے گی تو پھر اس کے بعد کی تمام چیزیں خود بخود آ جائیں گی یعنی مصیبت زدہ پر غریبوں پر، بیواؤں پر، یتیموں پر خرچ کرنا آ جائے گا، اور یہ تب ہی ہوگا جب اللہ اور اسکے رسول کے احکام پر زندگی گذارنا آ جائے، ایسی زندگی قوموں کی بنیاد پر نہ چلائے بلکہ قوموں والی طاقت صرف نماز سے حاصل کرے اور سب کچھ نماز سے حاصل کرے اور اپنی نماز کی ترتیب کے پابند ہو جاؤ اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اب یہ ملک والے ایسے کیسے بن جائیں جبکہ ملک کے دوسرے لوگ تمہاری صورت دیکھ کر بھاگتے ہیں، تمہاری بات نہیں سنتے ہیں، یہ ملک جس کا خون تمہاری معاشرت کو دیکھ کر کھول اٹھتا ہے، یہ تمہاری باتوں سے کیسے پلٹا کھائے گا۔ یہ پلٹا کھا سکتا ہے اور صرف اسی وقت پلٹے گا جب تم عملوں والی زندگی گذارنے والے بن جاؤ اور ہر ایک کو بدلوانے کے واسطے صورت یہی ہے ہر ایک پچھلی خطاؤں سے معافی مانگنے کے واسطے نماز کو سیکھے۔ بس اب ملک بھر کا رخ پھیرنے کے واسطے صرف ایک طریقہ ہے اور وہ ہے محمد ﷺ کے طریقہ پر پورے ملک کو پھیر دیا جائے جب اس کے لئے کوشش کی جائے گی اور پورا ملک محمد ﷺ کے طریقہ پر پھرے گا تو اس سے یا تو بدمعاش سے بدمعاش کو اللہ تعالیٰ صالح بنا دیں گے یا پھر اس کا پتہ صاف ہو جائے گا اور یہ سب کلمہ و نماز کی محنت سے ہوگا اور جب نماز سے لینا آ جائے گا تو پھر سب کچھ اسی سے ہو جائیگا، جب موسیٰؑ اور ہارونؑ نے اسی کلمہ و نماز کی محنت کی اور یہ آ گئی تو پھر انہوں نے سارے نقشوں کے خلاف کر کے دکھا دیا یہی محنت بنی اسرائیل کو جب آ گئی تو تمام نقشوں کے خلاف اللہ نے انہیں کامیاب کر کے دکھا دیا، فرعون کے لشکر سے نجات دلادی اور فرعون کو غرق کر دیا، اللہ نے جنگل بیابان میں حضرت موسیٰؑ کو روشنی دکھائی کہ ہم قریب ہیں اور جب موسیٰؑ وہاں گئے تو اللہ نے موسیٰؑ کو نبوت دی اور روشنی جو دکھائی تھی وہ نبوت کی لائن کا نور تھا، لیکن یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ موسیٰؑ آگ لینے گئے اور مل گئی نبوت، لیکن موسیٰؑ نے آگ کا مطالبہ چھوڑ دیا، اگر موسیٰؑ کی جگہ پر ہم ہوتے تو ہم یہ کہتے کہ اللہ پہلے ہمکو آگ دیجئے تاکہ ہم سردی سے بچ جائیں پھر جو بات کرنا ہو وہ کیجئے گا لیکن موسیٰؑ نے اپنا مطالبہ چھوڑ دیا اور تب اللہ سے باتیں ہوئیں اور اللہ نے فرمایا:

انّنی انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا فاعبُدنی واقم الصلوٰۃ لذکری انّ الساعۃ آتیۃ اکاد اُخفیہا لتجزیٰ کلّ نفس بما تسعیٰ

اس لئے کہا کہ فرعون کو طاقت و اقتدار حاصل

طرح اور موسیٰؑ کمزور ہیں، لکڑی کی طرح
چاہے فرعون اس کمزور لکڑی کو جلائے
یا پانی میں ڈال دے، اسلئے جب تم
کمزور ہو تو فرعون کے مقابلہ میں طاقتور
بننے کی کوشش کرو تاکہ طاقت والوں کا
مقابلہ کر سکو، اللہ طاقت والوں کو بے
طاقت کر دے گا اور تم کو طاقتور بنائے
گا اور تم کو ان پر غالب کر دے گا بس
اب تم کلمہ نماز کی مشق کرو اور نبیوں والی
زندگی پر لگ جاؤ اور اس کے لئے نقد قدم
اٹھاؤ اور یہ طے کر لو کہ ہم سب کچھ چھوڑ
دینگے، دنیا سے الگ ہو جائیں گے اور
نبیوں والے راستے پر چل دیں گے اور
ہماری اس قربانی سے خلق خدا کے لئے
ہر قسم کے دروازے کھل جائیں گے
اور جب اسی کلمہ نماز والی محنت پر
جان کھپائی جائے گی تو پھر اس سے
دوسروں کے لئے نماز سیکھنے کا دروازہ
کھلے گا اور تمہاری محنت سے محمدؐ والا
طریقہ پوری دنیا میں پھیل جائے گا،
بس اب اس کام کے لئے محنت کرو اور دنیا
بھر میں پھرو، اگر آج ہم تم اس نقل و حرکت
کا رواج ڈال دیں اور اللہ کے کام کے
لئے پھرنے لگیں، یہ ضرور ہے کہ کچھ دن
پھرنے والوں پر تکلیفیں گذریں گی ان
کو ہر قسم کی پریشانیاں ہوں گی لیکن یہ
تکالیف بہت ہی معمولی ہوں گی اس کے اللہ
تعالیٰ ہر قسم کی مشکلات دور کر دیں گے
لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب کلمہ و نماز
والی محنت کے لئے نقد وقت لگا کر محنت
کی جائے اور جب اس طرح محنت ہوگی تو
تب ہر قسم کی مشکلات دور ہوں گی اور برکات
کے دروازے تم پر کھل جائیں گے، تمہیں
معلوم ہے؟ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام
اور یوسفؑ کو کس قدر پریشانیاں اٹھانا
پڑی ہیں اور غزوۂ بدر میں کیا ہوا؟
صحابہ کرامؓ نہ کسی جنگ اور کسی لڑائی کے
ارادے سے نہیں نکلے تھے، صرف ان ہتھیاروں
کو چھیننے کیلئے نکلے تھے جو کہ کفار قریش انہیں
کے خلاف استعمال کرنے والے تھے اسی وجہ
سے صحابہ کرام کی اس مختصر جماعت
کے پاس لڑائی کا کوئی سامان نہیں
تھا لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، اسی
لئے جہاں پر حضورؐ نے پڑاؤ کیا تھا
ابو سفیان اسی راستہ سے گذرے اور جب
انھوں نے وہاں پر اونٹ کی مینگنیاں
اور مدینہ کی کھجور کی گٹھلیاں دیکھیں تو انہیں
کچھ شک ہو گیا اور پہچاننے والوں نے
پہچان لیا کہ یہ مینگنیاں گذشتہ رات
کی ہیں زیادہ پرانی نہیں ہیں، بس پھر
کیا تھا ابو سفیان راستہ بدل کر سمندر
کے راستے سے نکل کر چلے گئے اور احتیاطاً
ایک آدمی کو مکہ دوڑا دیا اور اسکو تاکید
کر دیا کہ تم وہاں پہونچ کر یہ کہو کہ محمدؐ
نے ہم کو گھیر لیا ہے، اسلئے فوراً ہماری
مدد کو پہونچو۔

جب یہ خبر مکہ میں پہونچی تو وہاں
ایک آگ سی لگ گئی اور مکہ کے چھٹے ہوئے
بہادر، سورما، جنگجو اس کے لئے نکل
کھڑے ہوئے جو کہ اسلحہ اور ہر قسم کے
جنگی سامان سے لیس تھے، اور ادھر
حضورؐ اور ان کے اصحابؓ کے پاس صرف
دو گھوڑے ایک تلوار اور کسی کے پاس
خنجر اور کسی کے پاس ڈنڈے کے علاوہ
اور کچھ نہ تھا اور ادھر ایک ہزار جنگجو اور
ادھر ۳۱۳ صحابہ کرامؓ تھے اس لئے حضورؐ
نے اصحابؓ سے مشورہ کیا، تو حضرت ابو بکر
صدیق رضؓ نے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ ہم بغیر کسی
کے انتظام کے چلے ہیں لیکن اللہ اور اس
کے رسول جو کچھ بھی کہیں گے بلا چوں چرا
تسلیم کریں گے اور حضرت سعد بن معاذ رضؓ
نے کہا کہ اب ہم اسلام میں داخل ہو چکے ہیں
اسلئے اب حضورؐ جو کچھ بھی کہیں گے
ہم کریں گے۔

اگر آپ پہاڑوں پر چھلانگ لگانے
کے لئے کہیں تو ہم اس کے لئے تیار ہیں،
اگر آپ کہیں کہ برک غماد تک پہونچ جاؤ
تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں اس لئے اب
آپ جو کچھ کہئے ہم سب اسکے لیے تیار ہیں۔
اور اپنی جانیں آپ کے حکم پر قربان کر دینے
میں فخر محسوس کریں گے، حضورؐ نے اللہ
سے مشورہ کے بعد لڑائی کا حکم دے دیا،
اور ان جاں نثاروں نے بغیر کسی جنگ
کے لڑائی شروع کر دی، اب آئی اللہ کی
مدد اور اللہ نے ۵ ہزار فرشتوں کو ان
کی مدد کے لئے بھیج دیا اور ایسا نہیں کہ
یہ فرضی بات ہو بلکہ صحابہ رضؓ نے خود اپنی
آنکھوں سے دیکھا کہ فرشتے ان کے ساتھ
ساتھ لڑ رہے ہیں، حضرت عباس رضؓ کو
ایک فرشتے نے خود ایک قیدی کو پیش
کیا اور ایسی مدد آئی کہ لکڑیاں تلوار بن
گئیں، جس کو پتھر اٹھا کر بھی مار دیا وہ
ختم ہو گیا یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں
نے اللہ کے راستے میں نقد قدم اٹھایا
یہ ہوا اللہ کے راستے میں نقد قدم اٹھانے
کا انجام۔ اور پھر یہ نقد قدم اللہ کو اتنا
پسند آیا کہ اللہ نے انہیں صحابہ کرام رضؓ کے
ذریعہ سارے عرب میں اسلام پھیلا دیا
اب اگر تم بھی یہی نیت کر لو اور اللہ
کے راستے میں نقد قدم اٹھاؤ تو بربادی
سے بچو گے اور کامیابی حاصل کرو گے،
اس وقت نیت تو سب نے کر لی ہے مگر
قابل قدر وہی ہوگا جو نقد وقت اللہ
کی راہ میں لگائے گا، اب یہ سوچ کر
اللہ کی راہ میں وقت لگاؤ کہ تمہاری
اس محنت سے پوری دنیا بدلے گی جب
بربادی سے دنیا کو امریکہ اور روس نہیں
بچا سکے، اس بربادی سے تم دنیا کو
بچا سکتے ہو۔

تم یقین کر لو، کہ خداوند قدوس
میری نماز سے دنیا کو بربادی سے بچا
لیں گے، مصائب کو دور کر دیں گے،
اس کام کے لئے فاقے کرو، مصائب
برداشت کرو کیونکہ فاقے میں بڑی
جان ہے، دنیا کے اندر ہی دیکھ لو کہ
آج لوگ اپنی بات منوانے کے لئے
فاقے کرتے ہیں بھوکے رہتے ہیں
اور یہ حربہ کارگر بھی ثابت ہوتا ہے
گاندھی جی باطل اور ناحق
پر رہتے ہوئے اگر بھوکے رہ سکتے ہیں اور
ان کی اس بھوک سے پورا ہندوستان بے چین
ہو سکتا ہے تو اگر تم اللہ کے راستے میں حق
پر بھوکے رہو گے تو اللہ تعالیٰ اس محنت
کے کام کو چلا دیں گے اور تمہاری اس محنت
سے سارا عالم چمک اٹھے گا۔

بقیہ:۔ "پرچم اسلام لہراؤ"

مسلمان بھی دنیا میں بہترین امت ہیں، دوسری
بات یہ کہ اسلام اپنے مکمل ہونے اور تمام
خوبیوں اور اچھائیوں کے حامل ہونے کے
باوجود مسلم سوسائٹی اور مسلم طاقت کو گراوٹ
اور اخلاقی انحطاط سے کیوں نہ بچا سکا،
اور پھر کیا وجہ ہے کہ آج حریت پسندوں
اور انسانی حقوق کی علمبرداروں کی کثرت
ہونے میں بھی ایک کمزور سی صدائے احتجاج
کے سوا ان کے بس میں کچھ نہیں ہے اور وہ
لوگ جنہوں نے خدا کے پیغام اور ہدایت
کے پہونچانے کی ذمہ داری لی ہے وہ کیوں
اپنے کو اس مطلوبہ معیار پر قائم رکھنے میں
ناکام ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کا زوال
اور گراوٹ خود ان کی اپنی بداعمالیوں اور بے
راہ روی کے نتائج ہیں جیسا کہ قرآن میں
مذکور ہے،
" جو بھی بدقسمتی تم پر آتی ہے اس کا
واحد سبب تمہارے اعمال ہیں " جب
مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کو چھوڑ
دیں گے تو ان کی طاقت ختم ہو جائے گی۔
اور ظاہری و باطنی اعتبار سے کمزور ہو
جائیں گے۔ باقی

تعمیر حیات
میں
اشتہار دے کر اپنی
تجارت کو
فروغ دیجئے

عرب زنغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

از:۔ سید حبیب الحق ندوی،

ہر دور کا اپنا ایک عظیم
فتنہ ہوتا ہے ——— فتنہ ارتداد اپنے
وقت کا عظیم فتنہ تھا، تاتار کا فتنہ اور
ہزارہا فتنے اسی طرح اٹھتے رہے، بیسویں
صدی کا فتنہ معاشی فتنہ ہے جس طرح فتنہ
ارتداد کا مقابلہ علماء اور غیر علماء نے
متحد ہو کر کیا تھا، آج بھی متحد ہو کر وہ اس
کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس کا مقابلہ
نہ فتووں کے اجراء سے ہو سکتا ہے نہ نئی
نوجوان نسل پر لعنت و ملامت بھیجنے سے
ہو سکتا ہے اس کے لئے نفس کشی کی ضرورت
ہے۔ جذبۂ خود نمائی کو مٹانے کی ضرورت
ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں توڑنے کی
ضرورت ہے ہر صالح اور صحت مند تنقید
کو سننے اور ان پر اخلاص کے ساتھ غور
کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر اٹھنے والے فتنے یا آنے والے
انقلاب کو ۲۵، اور ۵۰ سال قبل سمجھنے اور
بھانپنے کا ملکہ پیدا کرنا اور ان کے عوامل و
محرکات کی تشخیص کے بعد اس کا مجرب نسخہ پیش
کرنے کی ضرورت ہے، نئی نادان نسل پر جو
دین سے دور ہے، پھٹکار بھیجنے کے بجائے
شفقت و محبت سے ان کی طرف بڑھنے کی
ضرورت ہے۔

یہ حسن و دلفریبی خانقاہوں یا
حجروں میں بیٹھ کر حاصل نہیں کی جا سکتی ہے
اس کے لئے خون جگر پیش کرنے کی ضرورت
ہے، یہ حسن دلفریبی ایمان اور ایقان کا دوسرا نام
ہے ان کی اشاعت کے بعد ہی نجس اور بری دنیا
جنت بداماں بن سکتی ہے اور یہی کھیتی آخرت
کی مزرعت کہی جا سکتی ہے، محض من کہ۔ یہ کہنا
آسان ہے بلکہ یہی نعرہ جدید شعار بن گیا ہے کہ
"اسلام میں سب کچھ موجود ہے، ہر نظام کے
اصول موجود ہیں، اس سے کوئی معصوم
انکار نہیں کر سکتا، لیکن ان اصولوں کو بیسویں
صدی کی نسل کے سامنے واضح طور پر پیش
کرنے کی مہم تھی یا ہے، اس فریضہ سے علماء
سبکدوش نہیں کئے جا سکتے۔
اگر اسلام اسی ڈھانچہ کا نام ہے
جسے ہم یا ہمارے علماء کی اکثریت ڈھوئے
پھرتی ہے، تو یہ اسلام عالمگیر نظام فکر نہیں بلکہ
عقائد کا مجموعہ ہے جس کی حیثیت شخصی مذہب
سے زیادہ نہیں چونکہ یہ عالمگیر نظام نہیں لہذا
اس کے پاس نہ اپنا نظام، نہ نظام قانون
و سیاست ہے! جدید عالم اسلام اسی لئے
غیروں کی خوشہ چینی پر جی رہا ہے، محض یہ
نعرہ کہ اسلام میں سب کچھ ہے بے جان اور
بے وزن ہے، امت مسلمہ ہنوز منتظر ہے کہ
علماء ان سوالات کے باوزن اور وقیع
جوابات کب تک؟ (باقی ص [illegible] پر)

غزل

از
شکیلؔ عباسی ندوی

قصور نفس کی شوخی میں دل ہے تیرا ابھی
چلا کے ذکر کی راہوں میں اس کو پھیرا ابھی

خوشی ہمیشہ ہے رنج و ملال کی زد میں
ہے گرد شمع کے تاریکیوں کا گھیرا ابھی

نکل چکا تو ہے سورج مگر ہیں کیا دوست
یہاں تو شام کی مانند ہے سویرا ابھی

ستاتے جاتے ہیں بیکس سمجھ کے مجھے
یہ جانتے نہیں ظالم ہے کوئی میرا ابھی

نہ اترا تو نئی روشنی پہ اے ناداں
کہ عقل ہی میں حوادث کا ہے اندھیرا ابھی

وہ نیش زن ہے زمانے کے علم کا افعی
نہیں امان میں اس سانپ کا سپیرا ابھی

نہیں ہے جلوہ گہ برقیات میں کچھ بھی
شکیلؔ اسکو ٹٹولا ابھی ہی بکھیرا ابھی

بقیہ:۔ "یروشلم"

کی زیارت کو گئے تو قیدیوں کا حال زار
دیکھ کر آبدیدہ ہوئے۔ جیب خاص سے
فدیہ دے کر انھیں رہا کرایا۔

عیسائی طاقتوں کے اضافے میں اہم
اسباب فاطمی حکومت کی کمزوری باہمی خانہ
جنگی اور عدم اتحاد وغیرہ تھے، اس عدم
اتحاد کے باوجود عیسائیوں کے خلاف مسلم
طاقتیں مجتمع رہیں اور عیسائیوں کو ہمیشہ
ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، ۱۱۲۳ء میں
بلیڈون کی فوجیں دمشق میں پسپا ہوئیں
طبریہ کی جنگ میں فرنگ تباہ ہوئے لیکن
ان پیہم تباہیوں کے باوجود یورپ سے کمک
اور رسد کی مسلسل آمد ان کی تقویت کا
باعث رہی، وہ شہر کے بعد شہر لیتے چلے گئے۔
۱۱۱۸ء میں سلطان سنجر تخت نشین ہوا اس
وقت دوسرا اسلام دوست حکمران سلطان
محمود تھا جس نے مشرق اوسط سے فرنگ
کے اخراج کا بیڑا اٹھایا۔ اور ان کی طاقت
کمزور کر دی، لیکن محمود کی وفات کے بعد خانہ جنگی
شروع ہوئی اور دم توڑتی ہوئی عیسائی
طاقتیں پھر تازہ دم ہونے لگیں۔

دوسری صلیب ۱۱۴۷ء
اٹھ کھڑی ہوئی

مسلمان جوانمردی کے ساتھ عیسائیوں
کے مقابلہ میں ڈٹے رہے، اور شہر ادہ پر
دوبارہ قبضہ کر لیا، یورپ میں شہر کے سقوط پر
تہلکہ مچا اور دوسری صلیب کی تیاریاں
شروع ہو گئیں جرمنی شہنشاہ کوناڈ سوم اور
شاہ فرانس لوئس ہفتم کی قیادت میں ۱۱۴۷ء
میں نو لاکھ عیسائی فوج تیار کی گئی، ڈھال اور
نیزوں سے مسلح زنانہ فوج بھی شریک ہوئی
ان جرمنی کا مسلح زنانہ فوج ہتھیاروں سے لیس
تھی۔ (باقی آئندہ)

امام شافعیؒ اور ابن ازرق

از — شبیر احمد صاحب فائز مفتاحی جودھپور

تاریخ اسلام کے مشہور آئمہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ بہت بلند ہے، آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، اسم گرامی محمد ہے، آپ کے پدر بزرگوار ادریس شافعی تھے، آپ کے اجداد میں ایک بزرگ شافع تھے جن کی نسبت سے آپ شافعی مشہور ہیں، فلسطین کے ایک مقام غزہ میں آپ کی ولادت باسعادت ۱۵۰ھ میں ہوئی، دنیائے اسلام کے اکثر و بیشتر افراد آپ کو جانتے ہیں اور دینیات و اسلامیات میں پیشوا مانتے ہیں، آپ بڑے فضائل و مناقب کے حامل و شہرۂ آفاق صاحب مذہب امام ہیں، کتنے ہی مسلمان آپکے مذہب کی پیروی کرتے ہیں — جب آپ دو سال کے تھے تو مکہ لائے گئے تھے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا — پھر دوسرے علوم کی طرف متوجہ ہوئے، مدینہ میں امام مالکؒ کی شاگردی کا فیض اٹھایا، اسلامی علوم میں یگانۂ روزگار و امام وقت ہونے کے علاوہ اس وقت کے مروجہ علوم و فنون میں بھی دستگاہ کامل اور مہارت تامہ رکھتے تھے چنانچہ علم انساب، نجوم، تاریخ، نحو، عروض، خطابت، تکلم اور شاعری میں کمال حاصل تھا مشہور شاعروں کے ہزاروں اشعار یاد تھے اور آپ خود بھی اعلیٰ درجہ کے فصیح، بلیغ اور نادر الکلام عمدہ شاعر تھے، فی البدیہہ شعر کہنے میں کوئی تردد نہیں ہوتا تھا، آپ کی شاعری میں اگر نیت جھلکتی تھی تو لطافت و جودت بھی پائی جاتی تھی، چنانچہ، آپ کی اس شان کا اعتراف یوں کیا گیا ہے —

كان الشافعي شاعراً مجيداً

(امام شافعیؒ ایک عظیم شاعر تھے)

ہم آپ کی شاعرانہ شخصیت کو جلوہ گر کرنے کے لئے بہت اختصار کے ساتھ دلچسپ واقعہ مع اشعار ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں تاکہ یہ حیثیت بھی جو ایک اہم ادبی خدمت اور زینت قصر ادب ہے، افق عالم پر روشن ہو جائے!

ابو القاسم ابن ازرق نامی شاعر نے امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے ابو عبداللہ آپ تو دینی علوم سے بہرہ ور اور کامیاب ہو رہے ہیں اور ہمارے لئے تو صرف یہ شاعری ہے یا تو آپ شاعری تنہا ہمارے لئے چھوڑ دیں یا اپنے علوم دینیہ میں بھی ہم کو شریک کریں اور آپ ذرا اس میں مقابلہ کریں، میرے چند اشعار ہیں اگر ان جیسے اشعار آپ بھی کہہ لیں گے تو میں شاعری سے تائب ہو جاؤں گا اگر عاجز آجائیں تو آپ شاعری سے تائب ہو جائیں امام صاحب کے فرمانے پر اس نے اپنے یہ اشعار پیش کئے۔

ما همتى الا مقارعة العدى
خلق الزمان وهمتى لم تخلق

(میری خواہش ہمیشہ دشمنوں سے لڑنے بھڑنے کی رہا کرتی ہے۔ زمانہ تو کمزور ہو گیا ہے مگر میری ہمت کمزور نہیں ہوئی ہے۔)

والناس اعينهم الى سلب الغنى
لا ينظرون الى الحجا والاولق

(لوگوں کی نگاہیں مالداری کے چھیننے پر ہوتی ہیں، اور عقل و جنون میں امتیاز نہیں کرتے)

لكن من رزق الحجا حرم الغنى
ضدان مفترقان اى تفرق

(لیکن بات یہ ہے کہ جو عقل سے بہرہ ور ہوتا ہے وہ غنی سے محروم ہوتا ہے، یہ دونوں آپس میں ضد اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں)

لو كان بالحيل الغنى لوجدتنى
بنجوم اقطار السماء تعلق

(اگر غنی حیلوں سے حاصل ہوتا تو مجھ کو پاتے کہ میرا تعلق آسمان کے ستاروں سے ہوتا۔)

اس کے بعد حضرت امام نے فرمایا کہ تم نے یہ اشعار ارتجالاً (فی البدیہہ) تو نہیں کہے لیکن مجھ سے اس بحر اور وزن پر ارتجالاً سنو۔

ان الذى رزق اليسار فلم ينل
حمداً ولا اجراً لغير موفق

(جس کو اللہ کی طرف سے تونگری دی گئی وہ اعمال خیر کے اجر و شکر کا مستحق نہ ہو تو وہ محروم الخیر ہے)

فالجد يدنى كل امر شاسع
والجد يفتح كل باب مغلق

(کوشش تو منزل دور دراز کو قریب کر دیتی ہے اور کوشش سے مقفل کا بند دروازہ کھل جاتا ہے)

فاذا سمعت بان مجدا ذا حوى
عوداً فاثمر فى يديه فحقق

(بالفرض تم یہ سنو کہ کوئی نقیبہ ور کسی ہری خشک لکڑیاں جمع کر رہا تھا، بس وہ اس کے ہاتھ میں ہری بھری ہو گئیں تو سچ سمجھو)

واذا سمعت بان محروماً اتى
ماءً ليشربه فغاض فصدق

(اور جب یہ سنو کہ کوئی محروم القسمت پانی پینے کے لئے گیا بس پانی زمین میں جذب ہو گیا تو اس کی تصدیق کرو)

ومن الدليل على القضاء وكونه
بؤس اللبيب وطيب عيش الاحمق

(دانشور کی تنگ زندگی اور بے وقوف کی خوشحالی قضاء و قدر الٰہی کی بین ثبوت اور واضح دلیل ہے۔)

امام صاحب کے یہ اشعار ارتجالاً سننے کے بعد ابو القاسم ازرق نے کہا اب تو اس کے بعد میں شعر گوئی نہ کروں گا۔

حضرت امام کی شاعرانہ زندگی سے جہاں اہل ذوق کی حمایت ہوتی ہے وہاں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اس خداداد قوت و استعداد کا استعمال غیر صالح نہ ہونا چاہئے علاوہ ازیں صالحیت ادب، ادبی زندگی کا وقار لباس اور زیور ہے نہ کہ عریانی۔

ادب ایک شمع حق نما بھی ہے اور اس سے اگر قدر دانوں کی زندگی خوشگوار گذر سکتی ہے اور ادب اگر دنیا کی رعنائیوں اور اس کے بے ثبات محاسن کی طرف مائل کر سکتا ہے، تو یقیناً پُر فریب فتنوں اور ہستی کے دھوکوں سے بچا سکتا ہے جو بالکل حقیقت ہے امام صاحب کے یہ اشعار اسی نظریہ کے آئینہ دار ہیں

ان لله عباداً فطنا
طلقوا الدنيا وخافوا الفتنا

(واللہ کے کتنے عاقل بندے ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور فتنوں سے خائف ہیں)

نظروا فيها فلما علموا
انها ليست لحى وطنا

(انہوں نے دنیا میں غور و فکر کر کے یہ معلوم کیا کہ یہ زندوں کی جگہ نہیں ہے)

جعلوها لجة واتخذوا
صالح الاعمال فيها سفنا

(دنیا کو موج قرار دیا اور اچھے اعمال کو کشتی بنا لی اور اشیاء کو پار کیا)

علم و ادب کے امام نے اس اعلیٰ فن کو ضائع نہیں کیا بلکہ اس کی قدر کی اور اس سے پیغمبرانہ کام لیکر اس کی بنیاد مضبوط کر دی جیسا کہ ان اشعار سے یہی معنی واضح ہوتے ہیں

اخو العلم حى خالد بعد موته
واوصاله تحت التراب رميم

(صاحب علم و ادب اپنی موت کے بعد بھی زندہ ہے اگرچہ اس کے جوڑ جوڑ تہہ خاک بوسیدہ ہو گئے ہوں۔)

وذو الجهل ميت وهو ماش على الثرى
يظن من الاحياء وهو عديم

(علم و ادب سے عاری آدمی زمین پر ٹہلتے پھرتے بھی مردہ ہے اس پر زندگی کا وہم و گمان تو ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ معدوم ہے۔)

اس طرح علم و ادب کی خدمت اور اس کی تزئین و تہذیب داشت و تربیت کرتے ہوئے علمی ادبی دنیا کا ماہ تاباں ماہ رجب ۲۰۴ھ کی شب جمعہ میں اپنے رفیق اعلیٰ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مصر میں غروب ہو گیا اور اپنی تابندگی ہماری رہبری کیلئے چھوڑ گیا۔

گذشتہ سے پیوستہ

نیل کے مجاہد

ترجمہ .... سید صدیق حسین ندوی

دوسرے روز اس عظیم معرکہ کی خبر مصری اخباروں میں صفحۂ اول پر شائع ہوئی جس میں ان کی بہادری ایثار و حب وطن کی بے انتہا تعریف کی گئی تھی، ان اخباروں نے اس کارزار کو منظر استحسان دیکھا کہ دس بارہ آدمیوں نے ہلکی بندوقوں سے دشمن کے ایک لمبے پیدل بریگیڈ کو جو بھاری ہتھیاروں سے لیس تھا کامل دس گھنٹہ روکے رکھا، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ معرکہ اسی تعریف کے قابل تھا اور اس اعتبار سے دوسرے معرکوں سے فائق تھا لیکن پھر بھی ہمیں اس عظیم جنگی غلطی کے ذمہ داروں سے ملکی محاسبہ کرنے میں کوئی چیز نہ روک سکی۔

ہم نے اپنی تحریک کے لئے جو پلان ترتیب دیا تھا جو اصول بنائے تھے اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معرکہ سراسر ہمارے مقاصد کے خلاف پڑتا تھا ہم نے اپنے واسطے جو طریقہ کار متعین کیا تھا وہ تھا "اچانک ایک کاری وار پھر تیزی سے فرار" ہم نے اس حادثہ میں پورے گروہ کے ساتھ سخت ترین نقصان اٹھائے ۔۔۔ سے شہید ہوئے، دو سو زخمی ہوئے اور پچاس سو اسیر، پھر اس غلطی کی وجہ سے ہم ہی شہریوں کے مصائب کا باعث ہے، انگریزوں نے بعد میں ان کا مال و اسباب حتی کہ کھیتیاں تک برباد کر ڈالیں۔

لیکن دوسری طرف برطانوی صحافت نے اس واقعہ کو آزادی کے ان متوالوں کی نئی قوت سے تعبیر کیا اور ان کی جدوجہد کو ایک نئے موڑ پر دیکھا، ڈیلی میرر نامی جریدہ کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہم یہ کہہ سکنے کی پوزیشن میں ہیں کہ آزاد مصری دستے محض ایک مذاق نہیں کیونکہ ان کی جدوجہد ایک نئے موڑ میں داخل ہو گئی ہے اور یہ جنگ سنیچر سے اتوار کی شام تک جاری رہی اور برابر مصری دیوانے اپنے سروں سے کفن باندھے، پختہ کار و نامور برطانوی کمانڈروں سے گتھم گتھا رہے۔

"نیوز کرونیکل" رقمطراز ہے کہ "یہ تمام بڑے بڑے معرکوں میں ایسے واحد معرکہ ہے جس میں مصری ثابت قدم رہے اور بغیر فرار کا ارادہ کئے ہوئے سامنے آکر لڑتے رہے ہمارے ایک افسر نے کہا کہ فلسطین کے ان تمام معرکوں سے زیادہ سخت تھا جس میں ہمارا لشکر یہودیوں کے مقابل اترا ہے"

بہادری کے سارے نتائج ایک تاریخی غلطی!

یہ تھیں مصری و برطانی اخباروں کی رائیں جن سے ہمیں قطعی اختلاف ہے کیونکہ ہم اس کو ایک غلطی پر مبنی کارروائی سمجھتے ہیں، رہی برطانی قیادت تو اس نے اپنے مفاد کے لحاظ سے اسے ایک کامیاب کارروائی قرار دیا ہے، دوسرے دن ایک برطانی نمائندے نے کہا کہ "اس معرکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فرار ہونے والے اب سامنے کھلے معرکوں میں آکر ٹکرانا چاہتے ہیں اور یہ چیز ایسی ہے کہ جس سے ان کو بڑی سرعت سے ختم کرنے کی ہماری امید دوگنی ہو گئی ہے

شہید۔۔ میں نہیں سمجھ پاتا کہ کیوں کوئی شکل ہمارے حافظہ میں ایسی رچ بس جاتی ہے کہ اس کو نظر انداز کرنا مشکل ہوتا ہے گویا وہ کسی طویل حصہ کا کوئی عنوان ہو جو مکمل ہوتے ہوتے رہ گیا ہو، بعض اوقات آپ یہ شکل ایسے چہروں میں دیکھیں گے جن کا ماضی زیادہ روشن ہے جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے مگر جب بھی آپ اپنے ذہن کو کام میں لانا چاہیں تو یہی صورت سب میں ممتاز و نمایاں ہو جائے گی۔

فلسطین میں مجھے کئی بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے، دراصل ایسے ہی چہرے بہادری و ایثار کے قصوں کے عنوان ہوا کرتے ہیں یہاں تک کہ کئی بار ایسا ہوا کہ میں ان میں سے بعض چہروں کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا کرتا تھا کہ یہ شہید ہے اور پھر کچھ دنوں بعد زمانہ اس کی تصدیق بھی کر دیا کرتا تھا حتی کہ میرے ساتھی میری ان نظروں سے ڈرا کرتے تھے وہ اس کو ایک ایسی فال سے تشبیہ دیتے تھے جس میں ان کو کوئی دلچسپی نہ ہو۔

میں نے عمر شاہین میں وہ تمام اوصاف و خصوصیات ہو بہو پائیں جو ایک شہید میں ہوتی ہیں، جس دن میں یونیورسٹی کے طلباء کو ایک فوجی تربیت گاہ میں خوش آمدید کہنے پہونچا تو ان کی ٹولی شام کا کھانا کھانے جا رہی تھی اچانک میری نظر ایک خوبصورت کمسن نوجوان پر جا لگی جو ہنستے ہوئے دبلے ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ لگا کر احکامات دے رہا تھا کبھی کبھی وہ ایک چکر لگا کر ان سب لوگوں کے پاس پہونچ جاتا تھا کہ ان کے مطالبات سنے اور انہیں پورا کئے جانے کا حکم دے، پھر وہ کسی کے کندھے پر ہاتھ مارتا، کسی سے مذاق کرتا اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو جاتا میں نے اس کے بارے میں ایک شخص سے (غالباً اس کا نام حسن دوح تھا) دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ عمر شاہین ہے فوراً ہی میں نے اس کے کانوں میں سرگوشی کے انداز سے کہا کہ مجھے تو تمہارا یہ ساتھی شہید معلوم ہوتا ہے، یہ میرا پہلا اور آخری توجہ تھا جس میں میں نے بہادر شہید کو پل والے معرکہ میں شہید ہونے سے قبل دیکھا تھا۔

بقیہ "مسلم پرسنل لا"

کہ یا تو اس کی اجازت دی جائے یا پھر تعلیم قرآن کے ضیاع کا خطرہ مول لیا جائے ظاہر ہے کہ یہ عظیم الشان نقصان تھا جسے کسی طرح گوارا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ علماء نے وقت کی اس ضرورت کو محسوس کیا اور دیکھا کہ بیت المال سے وظائف کا کوئی نظم نہیں اور لوگوں میں بطور خود اپنے عطیات کے ذریعہ اس کو چلانے کا کوئی جذبہ نہیں۔ ایسی صورت میں دو ہی شکلیں تھیں یا تو معلمین کے بال بچے ضائع ہوں اور ان کی معاش تباہ ہو یا پھر قرآن کی تعلیم ختم ہو جائے۔

پہلی شکل ممکن نہ تھی اور نہ درست، اور دوسری صورت ناقابل برداشت ایسے حالات میں مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز قرار دیا، اور پھر بعد کو اذان و امامت جن کی حیثیت شعائر دین کی ہے جب ان کے فوت کا بھی خطرہ محسوس کیا گیا تو علماء نے اذان و امامت پر بھی اجرت کو جائز قرار دیا۔ "باقی"

خط و کتابت کرتے وقت پتہ صاف اور خوشخط لکھئے

گذشتہ سے پیوستہ

یروشلم

سقوطِ یروشلم (۱۵ جولائی سنہ ۱۰۹۹ء) اور مسیحی سفاکیوں کی ہوشربا داستانیں

از:- خاور شامی

تین شہروں کو فتح کرنے میں مسلمانوں کی ہلاکت جو بھی ہوئی وہ مسیحی تباہی کے مقابلہ میں درجہ صفر پر ہے، ملز کے بیان کے مطابق انطاکیہ اور (Edessa) کو فتح کرنے میں ۸½ لاکھ سے زیادہ عیسائی قربان ہوئے ہیں۔

یہ تعداد کسی مسلم مورخ کی پیش کردہ نہیں بلکہ معروف مغربی مورخ ملز کی پیش کردہ ہیں، اس سے یہ اندازہ تو آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی قوت داخلی انتشار اور باہمی اختلافات کے باوجود اس قدر مستحکم تھی کہ متحدہ یورپ کے پے درپے حملے برداشت کرسکے اس کی تنہا وجہ یہ تھی کہ توحید خالص کا تصور بیدار اور اسلام کی محبت تازہ تھی

مسیحی غضب کا موت انگیز بادل اور انطاکیہ اور شام کے افق سے منڈلاتا ہوا شہر یروشلم کی طرف بڑھا، مسیحی غیظ کا بادل گرجا مسیحی غضب کی بجلی کوندی، اور نہ ہی جنون کی گھنگھور گھٹائے شہر خدا پر خون کی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، خون کے سیلاب اور موت کی ویران کن آندھی میں خدا کا شہر یروشلم اس غبارے کی طرح ہچکولے کھانے لگا جو بے وزن، لطیف اور غیر کثیف ہونے کے باوجود پرشور موجوں کی زد میں ڈانواں ڈول ہونے لگتا ہے، عیسائی ٹڈی دل بجلی کی طرح یروشلم پر کڑکنے لگی، تلوار کی زد کھا کر انسانی ہڈیوں سے آگ کی چنگاریاں چھوٹنے لگیں، خنجر زدہ سینوں سے خون کے فوارے ابل پڑے، سارے شہر میں آگ خون کی پھلجھڑیاں چھوٹنے لگیں، عیسائیت کی دیوی جو خون کی پیاسی تھی، مسلمانوں کا خون پی کر ٹھنڈی ہوئی۔

قافلہ تاراجی دوس اڈولٹ کہتا ہوا شہر میں داخل ہوا تین دنوں تک قتل عام کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا، ستر ہزار مسلمانوں کے خون سے گلی کوچے بھر گئے۔ یہودیوں کو ان کے عبادت خانوں میں بند کرکے آگ لگادی، قتل کرتے کرتے جب عیسائی تھک گئے تو پسماندہ مسلمانوں کو ذاتی اغراض کے تحت غلام بنالیا۔

مسجد عمر جہاں دفاع دیر تک رہا دس ہزار مسلمان قتل کیے گئے (بعض روایتوں میں تعداد مختلف ہے) خون کے دھاروں میں مثلہ کردہ اجسام اور لاشیں خس وخاشاک کی طرح بہنے لگیں، لاشیں تو کیا خون کی ان تیز لہروں میں اسلحہ جنگ بہہ پڑے منظر کی ہولناکی نہ صرف سر بریدہ گردنوں مثلہ کردہ اجسام اور دریدہ لاشوں سے بڑھ رہی تھی

بلکہ خون میں لت پت سراپا خون کے پانی میں نہائے ہوئے فاتحین ان کے مسخ شدہ خونیں چہرے اور پیشانی پر بنی ہوئی سیاہ لکیریں دلدوز خونناکی میں اضافہ کر رہی تھیں، مفتوحین کے لئے امان کی کوئی جگہ نہ رہی، جو قتل ہونے سے بچ گئے ہوئے جو بچکر بالائی منزلوں میں جا چھپے انھیں وہاں سے گرا گرا کر موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا۔

حضرت عیسیٰ کے پجاریوں نے قسم کھائی کہ مسلمانوں کے ساتھ رحم کرنا حرام ہے۔ قیدیوں کی جو بے حرمتی کی گئی وہ بھی تاریخ میں بےمثال ہے، قیدی سڑکوں گلیوں اور عام پبلک مقامات پر پابہ زنجیر گھسیٹے گئے قتل کیے گئے، لڑکے لڑکیاں، مرد وعورت کاٹے گئے، قتل کیے گئے، شہر کے علاوہ یروشلم کے غیر آباد علاقے مرد وعورتوں کی لاشوں اور بچوں کے دریدہ جسموں کے ڈھیر سے اٹ گئے ان جگرپاش مناظر کو دیکھکر ایک عیسائی کا دل نہ پسیج سکا۔

معروف فرانسیسی مورخ میخاد اپنی تاریخ صلیب میں یروشلم کی خون آشامیوں کے جگرپاش مناظر پیش کرتا ہے، فاضل مورخ رقمطراز ہے کہ گھروں میں اور سڑکوں پر قتل کا بھیانک منظر تھا، موت سے بچکر جو مسلمان قلعوں اور مسجدوں میں جا چھپے انھیں تلاش کرکے قتل کیا جاتا۔ اور مسجد عمر میں عیسائیوں نے وہ مظالم کیے کہ تاریخ کے معروف مظالم ٹیٹس کے مظالم بھی ان کے آگے شرما جاتے ہیں، موت کے اس بھیانک دلدل میں مرنے والوں کی ہچکیوں، نیم جانوں کی سسکیوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا، بھاگنے والوں کا پیچھا لاشوں کو روند کر کیا جاتا تھا، چشم دید راوی، اے مول اگلس بیان کرتا ہے کہ مسجد کے سائبان میں ٹخنوں تک بلکہ گھوڑوں کی زینوں تک خون کی نہریں بہہ رہی تھیں۔

میخاد قیدیوں کا دردناک منظر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ تمام قیدی قتل کیے گئے۔

انھیں مناروں، مقابر اور مکانات کی چھتوں پر لے جاکر نیچے گرایا گیا، اکثر قیدیوں کو یکجا کرکے جلایا گیا، مجمع عام میں لاشوں کے انبار پر کھڑے کرکے قیدیوں کا مثلہ کیا گیا، نہ معصوم بچوں کی کراہیں نہ جگرپاش مناظر کی ہولناکیاں نہ ستم زدہ اور بےبس عورتوں کے اشکہائے ماتم والم کے سیلاب مسیحی غضب کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا کر ٹھنڈا کرسکے، یہ سب کچھ اسی یروشلم میں ہوا جہاں خود حضرت عیسیٰؑ نے اپنے قاتلوں کو معاف کیا تھا۔ اور رحم ومحبت کی تعلیم دی تھی۔

ان خون آشامیوں کے بعد گوڈفرے یروشلم کا بادشاہ بنایا گیا اور ۴۰۰ سالوں سے یروشلم جو مسلمان کے ہاتھ میں ۱۰۹۹ میں عیسائیوں کے زیرنگین ہوگیا، حسب ذیل حکمران یروشلم پر حکومت کرتے رہے۔

گوڈفرے (۱۰۹۹ تا ۱۱۰۰)

بلیڈون اول (۱۱۰۰ تا ۱۱۱۸)

بلیڈون ثانی (۱۱۱۸ تا ۱۱۳۱)

فلک (۱۱۳۱ تا ۱۱۴۴)

بلیڈون سوم (۱۱۴۴ تا ۱۱۶۲)

یروشلم میں قدم جماتے ہی عیسائی عزائم کی بھیانک تصویریں منظر عام پر آنے لگیں سارے شرق اوسط کے مسلمانوں کے اخراج کی خفیہ اور علانیہ مہم چلائی گئی، اس مقدس فریضہ کی انجام دہی کے لئے یورپ سے کمک در کمک پہونچتی رہی، ڈویژن کے پیچھے دوسرا ڈویژن تیار کھڑا رہا اور اس طرح بحری اور بری راستوں سے مسیحی حکام کو مدد پہونچتی رہی بلیڈون اول کے مظالم کی تفصیلات کا ذکر یہاں بے محل ہے اس نے طرابلس اور قیصریہ پر قبضہ کیا، تریپولی کے تمام مسلمان قتل کیے گئے، کتب خانے نذر آتش ہوئے شام اور فلسطین کے مفتوحہ علاقوں کے مسلمان غلام بنائے گئے، لوہے کی زنجیروں میں باندھ کر انہیں شاہراہوں پر گھسیٹا جانے لگا۔ چند سالوں بعد جب امیر اسامہ بیت المقدس

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

ا گبن (مرجع سابق جلد ۲) صفحہ ۹۳ ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۳ ۲ ملز مرجع سابق صفحہ ۲۵۴) ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۴ ۳ ایضاً صفحہ ۲۶۶ ۴ ایضاً صفحہ ۲۶۰ ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۵ ۵ میخاد (مرجع سابق جلد اول صفحہ ۲۲۵) ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۶ (اصل فرانسیسی متن ملاحظہ ہو) ۶ ایضاً صفحہ ۲۳۹ ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۷

دلچسپ معلومات

کچھ عالمِ نباتات کے بارے میں[1]

از:- سید عبدالرشید

ہماری دنیا ایک طرح کا عجائب خانہ ہے، جہاں طرح طرح کے جانور اور قسم قسم کے کیڑے مکوڑے اور عجیب عجیب جڑی بوٹیاں پائے جاتے ہیں، آئیے آج ہم آپ کو چند پودوں اور درختوں کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بتائیں کہ جسے سنکر آپ کی نگاہیں حیرت سے کھلی رہ جائیں گی اور آپ میری باتوں پر یقین کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوں گے، آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ سب سے بڑا پھول رفلیسیا آرنالڈی کا ہوتا ہے جو صرف سماٹرا میں پایا جاتا ہے، اس کا پورا نام "سراسٹیمفورڈ رفلیس" ہے جو ڈاکٹر آرنلڈ کے نام پر ہے جسے انھوں نے سماٹرا

RAFFLESIA ARNOLDI

میں دریافت کیا تھا، یہ ایک ایسا پودا ہے جس میں پتیاں شاخیں اور جڑیں نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ جنگلی بیلوں کی جڑوں سے خود بخود اگ آتا ہے اور انہیں کا رس پی کر جیتا اور پرورش پاتا ہے اس کی کلی بند گوبھی جیسی ہوتی ہے جسے پھول بننے میں دو ایک مہینہ لگ جاتا ہے اور پھر یہ پھول دو ایک روز اپنی بہار دکھا کر ہمیشہ کیلئے مرجھا جاتا ہے، اس پھول کی شکل گول ہوتی ہے جس کی چوڑائی ایک گز اور وزن پندرہ پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے سات سیر ہوتا ہے اس کا درمیانی حصہ پیالہ نما ہوتا ہے جس کا عرض تقریباً ایک فٹ ہوتا ہے جس میں ۱۲ گیلن پانی سما جاتا ہے اس میں پانچ پنکھڑیاں ہوتی ہیں جو چمڑے کی طرح دبیز اور موٹی ہوتی ہیں اور ان کے سب ½ انچ موٹے ہوتے ہیں پنکھڑیوں کا رنگ زردی مائل سرخ ہوتا ہے اس پر ہلکے اودے رنگ کی بندکیاں ہوتی ہیں اس پھول سے سڑے ہوئے گوشت کی سی نہایت تیز بدبو آتی ہے اسی لئے اس کے اردگرد مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں، بہرحال چھیا چوڑائی کے اعتبار سے تو دنیا کا سب سے بڑا پھول ہوسکتا ہے لیکن اونچائی کے لحاظ سے نہیں ہوسکتا۔

سماٹرا میں ایک دوسرا پھول بھی پایا جاتا ہے جس کا نام جائنٹ آرائڈ (GIANTAROID) ہے جو گراموفون کے ہارن کے مشابہ ہوتا لیکن یہ ہارن نما حصہ پھول نہیں محض اس کا غلاف ہے اس کے بیچ سے کلی کی شکل کی ایک بالی نکلتی ہے جو ننھے ننھے پھولوں کا مجموعہ ہوتی ہے یہ بالی تقریباً تیرہ فٹ اونچی ہوتی ہے اس کے نیچے تقریباً دو فٹ لمبا ڈنٹھل ہوتا اس کے پودے میں صرف ایک ہی پتی ہوتی ہے جو پانچ فٹ چوڑی نکلتی ہے اور یہ پتی ہر دو سال کے بعد بدل جاتی ہے یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس میں پھول نہیں آتا، پھول نکلنے کے دو تین گھنٹے کے بعد مرجھانے لگتا ہے اور چند دنوں میں سوکھ کر گر جاتا ہے اس کی بدبو نہایت ناگوار اور ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

GIANT AROID

اینڈیز ANDES اور بولیویا BOLIVIA میں درخت پیدا ہوتا ہے جسے جائنٹ پویا GIANT POYA کہتے ہیں یہ انناس کا رشتہ دار ہوتا ہے اس کا تنا تیس فٹ چوڑا ہوتا ہے جب یہ ڈیڑھ سو سال کا ہوجاتا ہے تو اس کے بیچ میں پتوں کے درمیان بیس فٹ سے لیکر تیس فٹ تک لمبی کیوڑے کی ایسی بالی نکلتی ہے جو تقریباً آٹھ ہزار ننھے ننھے پھولوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ہر پھول پر حفاظت کیلئے ایک غلاف چڑھا ہوتا ہے جو اسے سردی سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ جس جگہ پر یہ درخت پایا جاتا ہے وہاں بے انتہا سردی ہوتی ہے اس کی ایک عجیب بات دیکھئے کہ پھول آنے کے بعد پورا درخت سوکھ جاتا ہے۔

GIANT POYA

آپ کو سب سے بڑے پھول کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہو چکی اب اسی سلسلہ میں سب سے بڑے پتے ...... اور سب سے بڑے پتوں کا حال بھی سنئے۔ جزیرہ میڈاگاسکر میں رو فیا پام (ROFFIA PALM) نامی اور امریکہ میں بمبو پام (BAMBOOPAM) نامی درخت پائے جاتے ہیں جن کے پتے لمبائی کے لحاظ سے دنیا کے سب سے بڑے پتے ہیں جن کی لمبائی ۶۵ فٹ تک ہوتی ہے اور چوڑائی کے اعتبار سے سب بڑے پتے وکٹوریا ریجیا (VICTORI AREGIA) کے ہوتے ہیں جن کے پتے تھال کی طرح گول اور گولدار ہوتے ہیں ان کی چوڑائی چار فٹ سے لیکر بارہ فٹ تک ہوتی ہے اور ان کی گگریں دو تین انچ سے لیکر چار انچ تک اونچی ہوتی ہیں پتے کے اوپری حصہ کا رنگ گہرا سبز اور نچلے حصے کا رنگ سرخ ہوتا ہے سبز رنگ کی سطح کے اعتبار سے گگروں کا سرخ رنگ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے اور ایک دلفریب منظر پیش کرتا ہے پتے کے بیچ میں ایک ڈنٹھل ہوتا ہے جس سے وہ پانی میں تیرتا رہتا ہے

ا زیرنظر مضمون اسحاق صدیقی کے مضمون 'عالم نباتات کے دیوزاد' کو سامنے رکھکر مرتب کیا گیا ہے۔

کے چاروں طرف پھیل جاتی ہیں اور وہ پتوں کی مضبوطی کا باعث بنتی ہیں اور اسے اوپر اٹھائے رکھتی ہیں پھر ان نسوں سے دونوں طرف پتلی پتلی شاخیں پھوٹتی ہیں جو جال کی صورت میں سارے پتے میں پھیل جاتی ہیں اسکا ڈنٹھل اور نسیں بالکل کھوکھلی ہوتی ہیں اور انمیں ہوا بھری ہوتی ہے جس کی وجہ سے پتہ پانی میں تیرتا رہتا ہے، پتے کے نچلے حصہ میں چھوٹے چھوٹے انگنت کانٹے

VICTORI- A REGIA

ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مچھلیاں اسے کھا نہیں سکتیں۔

وکٹوریا ریجیا کے پتے اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ اگر آپ کسی چھوٹے بچے کو پتے پر بٹھا دیں گے تو وہ ڈوبے گا نہیں بلکہ تیرتا رہے گا۔ کبھی کبھی گھونگے سیپیاں اور پانی کے دوسرے کیڑے شکار کی تلاش میں ان پر آکر بیٹھ جاتے ہیں لیکن وہ خود ان لنگلوں کا شکار ہو جاتے ہیں جو ان پر چلا پھرا کرتے ہیں

وکٹوریا ریجیا کے پھول کنول کے مشابہ ہوتے ہیں اور جب وہ کھلتے ہیں تو نہایت تیز خوشبو نکلتی ہے پھول کا پھیلاؤ آٹھ انچ سے لیکر ۱۶ انچ تک ہوتا ہے پنکھڑیاں دودھیا سفید ہوتی ہیں جن کے بیچ کا حصہ گلابی رنگ کا ہوتا ہے اور یہ گلابی رنگ آہستہ آہستہ پھیلتا جاتا ہے یہاں تک کہ سارا پھول گلابی ہو جاتا ہے، لیکن اس کی یہ عجیب بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس پھول کی بہار صرف دو دن کی ہوتی ہے، پہلی شام کو پنکھڑیاں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں اور دوسری شام کو پورے طور پر کھل جاتی ہیں اور تیسرے دن صبح تک کھلی رہتی ہیں، اسکے بعد پھول پانی میں ڈوب جاتا ہے تاکہ اپنے بیجوں کو پختہ کر سکے، پھر بیج پختہ ہو کر ٹوٹ جاتے ہیں اور ادھر ادھر بہہ جاتے ہیں پھر تین مہینے بعد ان بیجوں سے انکھوا پھوٹتا ہے پھر وہ آہستہ آہستہ ایک نئے پودے کا روپ اختیار کر لیتے ہیں برازیل کے لوگ ان بیجوں کو بھون کر کھاتے ہیں اور انہیں پانی کی جوار WATERMAIZ کہتے ہیں۔

پھلوں میں سب سے بڑا پھل کدو ہے لیکن عوام کے نزدیک وہ ایک ترکاری ہے حالانکہ علم نباتات کی رو سے وہ پھل ہے نہ کہ ترکاری جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں دنیا میں سب سے بڑے پھل کا وزن ۱۰ پونڈ سے لیکر ۲۰ پونڈ تک ہوتا ہے لیکن نیویارک کے ایک شخص اے ایل کلے برگ نے ۱۹۲۱ء میں ۱۰۰ پونڈ یعنی تقریباً سوا من وزنی کدو اگایا تھا جس کا گھیر ۶ فٹ ۸ انچ تھا

چھ فٹ تھا ۱۹۶۰ء میں انگلستان کے ایک شخص جسکا نام ڈبلو ای ایورٹ تھا نے پھلوں اور ترکاریوں کی نمائش میں ۱۵۹ پونڈ وزنی کدو پیش کیا تھا جسکا گھیر ۷ فٹ تھا لیکن اس سے پہلے ۱۸۳۱ء کی نمائش میں ۲۴۵ پونڈ وزنی کدو پیش کیا تھا جسکا گھیر ۹ فٹ ۳ انچ تھا۔

یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کدو کا اصل وطن امریکہ ہے اور آج بھی امریکہ میں کدو کی جتنی قسمیں پائی جاتی ہیں دنیا کے کسی دوسرے حصے میں نہیں پائی جاتیں اس کی سب سے بڑی قسم کو ونٹر اسکواش WINTER SQUASH کہتے ہیں جس کا وزن ۷۵ پونڈ یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔

بقیہ: عزیز نغمہ شو تم ہنوز بے خبر است

دار العلوم ندوۃ العلماء اور علماء ہند!

مصر کے مذکورہ بالا دینی اور علمی پس منظر (یعنی حکومت کی دین کش پالیسی، ارباب اقتدار کے آستانہ پر شوری زندگی کی بے بسی، تحریکوں کے خلاف نفرت کی اشاعت، پیغمبر اسلام کی بے حرمتی اور ان کی دعوت وحدت کا تمسخر، اسلام پسند عناصر پر جبر و تشدد، اور ان کی بیخ کنی، مجددیہ کافرہ اور علماء مصر و شیوخ ازہر کی بے بسی اور فتاویٰ کفر کا بے دریغ اجراء) کو اسناد کی روشنی میں سامنے رکھنے کے بعد ہر باخبر نظر انسان آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہے کہ مصری قیادت امت مسلمہ کو کدھر لئے جا رہی ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء، اور اہل ندوہ کے باخبر حلقے اسی پالیسی کی مذمت عرصہ سے کر رہے ہیں معروف حدیث سے ہر تعلیم یافتہ واقف ہے کہ آنحضرت نے برائی کو روکنے کے تین طریقے بتائے، اگر استطاعت ہو تو ہاتھ سے برائی کو روکنا اولیٰ ہے اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اسے برا کہنا ایمان کا دوسرا درجہ ہے اگر اسکی صلاحیت بھی نہ ہو تو کم از کم دل سے ہی برا سمجھنا چاہیے۔

دار العلوم ندوہ کا من حیث ادارہ اور اہل ندوہ کا من حیث افراد اب بھی یہی ایمان ہے کہ محمد کا لایا ہوا دین پائیدار تھا ہے اور رہے گا۔ محمد کی لائی وحدت صنم گری بابا کی ہوئی نام نہاد وحدت سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہے بلکہ ازلی ہے اور ابدی بھی محمد کا دین بالحاظ وطن رنگ و نسل اور وقت و زمانہ آفاقی ہے اور وقت و زمانہ کے قیود سے آزاد بھی دار العلوم ندوہ اور اہل ندوہ ضمیر زمان کی دعوت کے ترجمان ہیں (باقی صفحہ آئندہ)

جمعیۃ الاصلاح کا نیا انتخاب

سابق ناظم و نائب ناظم صدر و دیگر عہدیداران کی ... کے بعد دوران سال میں الاصلاح کا نیا انتخاب عمل میں ... جس میں مندرجہ ذیل عہدیداران و اراکین منتخب ہوئے

محمد یوسف ہاشم	ہشتم عربی	نائب صدر
محمد خالد مسعود	"	ناظم
عبد الحفیظ	ہفتم عربی	نائب ناظم
انیس الرحمن خاں	فضیلت دوم	محاسب
افتخار الحسن محشر	تخصص سوم	معتمد بزم صحافت
اقبال حسن صدیقی	ہشتم عربی	معتمد بزم خطابت
ابو الکلام اعظمی	ششم عربی	معتمد بزم سلیمانی
محمد وکیل خان	ہشتم عربی	معتمد دار الکتب
سید مصطفیٰ رفاعی	خصوصی سوم	معتمد مالیات
سید مبین اشرف	پنجم عربی	معتمد دار الاخبار
محمد انور صدیقی	فضیلت اول	رکن
محمد اظہر خاں	ہشتم عربی	"
سید فضل اللہ قادری	ہفتم عربی	"
رضوان احمد صدیقی	"	"
محمد ظاہر دہلوی	ششم عربی	"
تجمل حسین	"	"
منصور احمد شبنم		"

سول ایجنسیاں

(۱)
اودھ جنرل اسٹورس
امین آباد لکھنؤ

(۲)
ایم، اس، ظہیر برادرس
سلطان منزل چمن گنج
کانپور

پرچم اسلام لہراؤ!

تحریر۔ محمد عمران ❊ ترجمہ۔ اقبال احمد اعظمی ندوی۔!

اس سرزمین پر بسنے والے انسانوں میں شمالی اور جنوبی امریکہ کے نیگرو اور ریڈ انڈین سب سے پست اور حقیر مانے جاتے ہیں جن کی تعداد ایک دو لاکھ نہیں بلکہ آٹھ اور بارہ کروڑ ہے، خاتمۂ غلامی کے سو سال بعد بھی ریاستہائے متحدہ کی سفید فام اکثریت نے وہاں کے سیاہ فام باشندوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور آج بھی وہ امریکی سماج میں جانوروں کی طرح تنگ و تاریک جھونپڑیوں اور گندے محلوں میں نصف غلامی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

امریکہ میں رنگ و نسل کا امتیاز ایک انسانیت سوز حقیقت ہے اور یہ تلخ حقیقت ایسے ملک میں تہذیب و تمدن کا مذاق اڑا رہی ہے جو جمہوریت، مساوات اور آزادی کا سب سے بڑا دعویدار ہے، وہ بدقسمت بر اعظم جہاں ظالمانہ قوانین نافذ ہوں، جہاں ظالم و جابر انسانوں کی حکمرانی ہو، وہ کبھی بھی دنیا کے کسی ملک، کسی معاشرہ اور سوسائٹی کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا آج ریاست ہائے متحدہ کی حکومت سیاہ بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کے بجائے اپنی دولت کو ویت نام میں ایک غیر منصفانہ جنگ جاری رکھنے اور دوسرے غیر مفید کاموں میں برباد کر رہی ہے جیسے مشنری اسکول، ہسپتال، نائٹ کلب، اور ٹیڈی لباس تیار کرنے والی فیکٹریاں تیار ہو رہی ہیں، انواع و اقسام کے مشنریوں اور امن پسند دستوں کو غیر ممالک بھیجنے پر دولت لٹائی جا رہی ہے، ان تمام افراد اور اداروں کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ پوری دنیا "مغربی تہذیب کی روشنی میں نہائے" جو خالص مادیت اور شراب سے ملی ہوتی ہے اور نفس پرست اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل، فیشن اور عریانیت سے کر سکیں۔

خدا کے بنیادی قانون کی اخری

تشکل کی حیثیت سے اسلام اپنے اندر پیچیدہ عالمی و بین الاقوامی مسائل کو حل کرنے کی بہترین اہلیت رکھتا ہے جیسا کہ پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی نے صفائی کے ساتھ اپنی کتاب "CIVILISATION ONTRIAL" میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان رنگ و نسل کے احساس کا خاتمہ اسلام کا ایک نمایاں کارنامہ ہے اور عصر حاضر میں اس کی سخت ضرورت ہے کہ اسلام کی اس خوبی کی بڑے پیمانہ پر نشر و اشاعت کی جائے۔

صرف نازی، فاشسٹ اور صیہونی ہی وحشیانہ ظلم و بربریت کے مجرم نہیں ہیں بلکہ یہ دنیا جس میں رہتے ہیں، صدیوں سے ایک ایسی دنیا ہے جہاں پر روزانہ بلکہ ہر گھنٹہ مختلف طبقے، قومیں اور چھوٹے چھوٹے گروہ ایک دوسرے پر مظالم توڑتے رہتے ہیں اس وجہ سے ہم بخوبی سمجھ سکتے کہ امریکہ اور افریقہ کے ستائے ہوئے لوگوں کا فطری ردعمل یہ ہوگا کہ وہ اسلام کا جو فطرت کا واحد راستہ ہے مطالعہ کریں اور حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور جب ریاستہائے متحدہ میں بسنے والے سیاہ فام اور سفید فام باشندوں کے لئے الگ الگ گرجا گھر بنیں گے، تو کس طرح سیاہ امریکن "ہمسایہ سے محبت کرو" کی تعلیم پر یقین اور بھروسہ کریں گے، ہمارا خیال اور احساس ہے کہ امریکہ کی سیاہ فام آبادی مسلمان ہو جائے گی، اسلئے کہ صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس میں حقیقی سکون اور خوشی اور بھائی چارگی کی زندہ تصویر انہیں مل سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ الحاج مالک شہباز شہید (مالکم ایکس) نے امریکہ میں اسلام کی منظم اشاعت پر زور دیا ہے، انھوں نے کہا ہے کہ یہ اتنا ضروری ہے کہ فوراً ان جگہوں پر اس کے سنٹر اور مراکز قائم کئے جائیں جہاں سچے اسلام کی تعلیم و تبلیغ پہنچے ابتداءً یہ مراکز سیاہ فام باشندوں میں قائم کئے جائیں کیونکہ ان حالات میں سیاہ امریکن ہی وہ تنہا لوگ ہیں جو سچے مذہب میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

ظلم و زیادتی اور استحصال کے مارے سیاہ فام امریکی اور افریقی باشندوں کی جدوجہد میں ان کی طاقت کا مضبوط مرکز اور پشت پناہ اور روشنی کا منارہ بلاشبہ اسلام اور صرف اسلام ہے، اور اسلام اپنے فوائد کو ان لوگوں تک پہونچائے گا، جو اس کی آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہم لوگ جو اسلام کے دعویدار ہیں، دنیا کے ان حصوں میں اسلام کی آواز کو پہونچاتے اور لوگوں کو سناتے ہیں؟ ایک شخص انتہائی درد کے احساس کے ساتھ دیکھتا ہے اور شرمندہ و مضمحل ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ اسلام کو قبول کرنے کے لئے بہت سے لوگ تیار ہیں، لیکن صرف اسلام کے ماننے والوں کی غفلت اور تبلیغی جدوجہد میں ان کی کوتاہیوں کی وجہ سے وہ اس دولت سے محروم ہیں۔

یہ سچ ہے کہ آج کے مسلمان اپنے اندر ان اعلیٰ مومنانہ صفات اور صحیح اخلاق کو پیدا کرلیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں تو یقیناً وہ اسلام کے نشر و اشاعت میں معین و مددگار ثابت ہوں گے لیکن مسلمانوں کا فرض یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اللہ کے فرمان کے مطابق بنالیں، بلکہ ان کا خدائی فرض یہ بھی ہے کہ اپنے قول و عمل کے ذریعہ اس کی تبلیغ کریں، اسلام کی تعلیمات کو دنیا کے گوشے گوشے اور کونے کونے پھیلائیں اور لوگوں کو ان کے ایمان و یقین کی اہمیت اور اس کے صلہ میں جس انعام کا وعدہ خدا و مطلق نے فرمایا ہے اس کے متعلق لوگوں کو بتائیں، اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو قعر ذلت میں گرنے کے لئے تیار رہیں، قرآن پاک کہتا ہے کہ تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے۔

قرآن کی اس آیت کے مطابق مسلمان دنیا میں بہترین امت ہیں جسکو اللہ نے بنی نوع انسان کے لئے بطور نمونہ منتخب کیا ہے اور دنیا کے لئے ایک معیار بنا کر بھیجا ہے۔ جن لوگوں نے اسلام کو اس لئے قبول کیا ہے کہ وہ ان کے نزدیک انتہائی اعلیٰ معیار کا حامل تھا تو ان پر اللہ کی رحمت ہوگی اور وہ لوگ اس مرکزی امت کے اہم ارکان ہوں گے، وہ لوگ جو جان بوجھ کر اس مسلمہ اصول کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے سامنے اس کی اچھی طرح وضاحت کی جا چکی ہے تو مسلمانوں کو ان کے خلاف اس بات کی گواہی دینے کے لئے بلایا جائے گا کہ ان لوگوں نے خدائی پیغام کو ایک بہترین تہذیبی معیار ماننے سے انکار کر دیا تھا، ایک مسلم سوسائٹی جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے اور جس کا انفرادی و اجتماعی نظام اسلام کے ظاہر و باطن سے سچی مطابقت رکھتا ہے، وہی سوسائٹی اور معاشرہ بہترین امت کہلانے کا زیادہ مستحق ہے

لیکن ایک شخص سوال کر سکتا ہے کہ کیا دنیا آج کل کے "باقی صفحہ پر"